لیے کھڑے ہوتے تھے تو آیات قرآنی کی تلاوت سے خوش رہتے تھے۔ ان تمام چیزوں کے باوجود اگر قرآن کی بناوٹ اور ترتیب اور اس کا انداز تقلید کے قابل ہوتا' تو علیؑ کو اس بے نظیر صلاحیت کی بنا پر جو آپ کو فصاحت وبلاغت کے میدان میں حاصل تھی اور قرآن کے بعد آپ کے کلام کی کوئی نظیر اور مثال نہیں مل سکتی' قرآن کے انداز بیان کے زیر اثر ہونے کی بنا پر قرآن ہی کے طرز و انداز کی پیروی کرنا چاہیے تھی اور آپ کے تمام خطبے اور تمام تحریریں خود بخود آیات قرآنی کی شکل میں ڈھل جاتیں' لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کا انداز علیؑ کے کلام کے انداز سے مکمل طور پر مختلف اور جدا ہے۔ حضرت علیؑ اپنے روشن اور فصیح وبلیغ خطبوں کے ضمن میں جب کبھی کوئی قرآنی آیت پیش کرتے تو وہ آپ کے کلام سے بالکل علیحدہ محسوس ہوتی' بالکل ایسے ہی جیسے کوئی بڑا ستارہ چھوٹے ستاروں کے درمیان اپنی غیر معمولی چمک دمک اور امتیازی شان کا حامل ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے ایسے موضوعات کو پیش نہیں کیا ہے' جو عام طور سے تقریر و خطابت میں انسان کے ہنر نمائی کا ذریعہ ہوتے ہیں اور اگر لوگ اپنی خطابت کے جوہر دکھانا چاہتے ہیں تو فخر' مدح' ہجو (کسی کی مذمت کرنا)' مرثیہ' غزال اور قدرتی حسن وجمال کی تعریف و توصیف کے ذریعے اپنی تقریروں اور اپنے کلام میں خوبصورتی اور جاذبیت پیدا کرتے ہیں۔

قرآن نے نہ تو ان موضوعات کو پیش کیا ہے اور نہ ان موضوعات کے بارے میں داد سخن دی ہے۔ قرآن نے جن موضوعات کو پیش کیا ہے' وہ سب کے سب معنوی ہیں اور توحید' معاد' نبوت' اخلاق' احکام' مواعظ و نصائح اور قصوں سے عبارت ہیں اور ان سب حالات میں دلکشی و زیبائی کی اعلیٰ منزل پر پہنچا ہوا ہے۔

قرآن کریم میں کلمات کی ترتیب وتنظیم بے نظیر و بے عدیل ہے' آج تک کوئی شخص بھی قرآن مجید کی حسن و زیبائی پر دھبہ ڈالے بغیر قرآن کے ایک کلمے کو بھی ادھر سے ادھر نہیں کر سکا ہے اور نہ آج تک کوئی شخص قرآن کی نظیر لا سکا ہے۔ اس لحاظ سے قرآن ایک حسین و خوش نما عمارت کی مانند ہے کہ نہ تو کوئی شخص اس میں تبدیلی اور اس کے اجزا کو ادھر سے ادھر کر کے اس کی زیبائی و خوشنمائی میں کوئی اضافہ کر سکتا ہے اور نہ اس سے بہتر یا اس کی مانند بنا سکتا ہے۔ قرآن مجید کی بناوٹ اور اس کا اسلوب بیاں بالکل نرالا ہے نہ تو اس سے پہلے کوئی اس کی مثال ملتی ہے اور نہ (قرآن کے تمام تر چیلنج کے باوجود) اس کے بعد ملتی ہے اور نہ ملے گی' یعنی نہ تو اس سے پہلے کسی نے اس اسلوب میں کوئی بات کہی اور نہ اس کے بعد کوئی شخص اس کا مثل لا سکا یا اس اسلوب کی تقلید کر سکا۔

قرآن کا چیلنج آج بھی اسی طرح پہاڑ کی مانند قائم اور اٹل ہے اور ہمیشہ اٹل رہے گا۔ آج بھی تمام اہل ایمان دنیا کے تمام لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں کہ اس مقابلے میں شرکت کریں اور اگر آج بھی قرآن کا مثل و مانند پیدا ہو جائے' تو مسلمان اپنے دعوے اور ایمان سے دستبردار ہو جائیں گے لیکن انہیں اس بات پر مکمل یقین ہے کہ اس قسم کی چیز کبھی ممکن نہیں ہے۔

معانی قرآن

معانی و مطالب کے لحاظ سے قرآن کا اعجاز تفصیلی بحث کا متقاضی ہے اور کم از کم ایک الگ کتاب کا محتاج ہے۔ البتہ مختصراً قرآن کے اس پہلو پر بھی روشنی ڈالی جاسکتی ہے' تمہید کے طور پر یہ جان لینا چاہیے کہ قرآن کس نوعیت کی کتاب ہے ؟ کیا فلسفہ کی کتاب ہے ؟ کیا یہ کتاب سائنسی ادبی یا تاریخ کی کتاب ہے ؟ یا یہ کہ صرف فن و ہنر کا ایک شاہکار ہے ؟ جواب یہ ہے کہ قرآن ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہے جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ بلکہ تمام انبیاء بالکل ایک جداگانہ حیثیت کے حامل ہیں نہ تو فلسفی ہیں نہ منطقی اور نہ ادیب اور مورخ ہیں اور نہ ہی ہنر مند اور صنعت گر ہیں' لیکن اس کے باوجود کہ ان میں سے کچھ بھی نہیں ہیں' پھر بھی ان تمام خصوصیات کے علاوہ بعض زائد خصوصیات کے حامل ہیں۔ اسی طرح قرآن بھی جو آسمانی کتاب ہے' نہ فلسفہ ہے نہ منطق نہ تاریخ ہے نہ ادب ہے اور نہ کسی فن و ہنر کا شاہکار' لیکن سب کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی ان سب خصوصیات کے علاوہ مزید خصوصیات کی حامل بھی ہے۔ قرآن انسانوں کی رہنمائی کی کتاب ہے اور حقیقت میں وہ انسان کی کتاب ہے لیکن انسان بھی کونسا ؟ ایسا انسان جس کو انسان کے خدا نے پیدا کیا ہے اور انبیائے الٰہی کے آنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان کو اس کی حقیقت سے آگاہ کریں اور اس کی سعادت و نیک بختی کا راستہ اس کے لئے کھول دیں اور قرآن چونکہ انسان کی کتاب ہے' پس اللہ کی کتاب بھی ہے' کیونکہ انسان ہی وہ موجود ہے' جس کی خلقت اس دنیا سے قبل ہوئی ہے اور جس کا وجود اس دنیا کے بعد باقی رہے گا' یعنی انسان بنظر قرآن روح الٰہی کا ایک نسخہ ہے اور بہر حال اسے اپنے رب کی طرف پلٹ کر جانا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ کی معرفت اور انسان کی خود شناسی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہے۔

انسان جب تک اپنے کو نہیں پہچانے گا' اپنے اللہ کو بھی صحیح طریقے سے نہیں پہچان سکتا' دوسری طرف انسان صرف خدا شناسی کے ذریعے ہی اپنی حقیقت کو پہچان سکتا ہے۔ قرآن پیغمبروں کے مکتب فکر کا مکمل ترین نمونہ ہے' جس کی نظر میں انسان اس انسان کے مقابلے میں جس کو بشر علم و منطق کے ذریعے پہچانتا ہے' بہت مختلف ہے یعنی وہ پہلا انسان بہت وسیع معنی رکھتا ہے' جبکہ علوم کے ذریعے سے پہچانا جانے والا انسان پیدائش اور موت کے درمیان قائم ہے' ان حدود سے قبل اور بعد بالکل تاریکی چھائی ہوئی ہے اور بشری علوم کے لئے یہ چیزیں بالکل نامعلوم ہیں۔

لیکن قرآن کا انسان ان دو حدوں کے درمیان محدود نہیں ہے بلکہ وہ دوسری دنیا سے آیا ہے اور اسے اپنے آپ کو دنیا کے مدرسے میں مکمل کرنا ہوگا اور اس کا مستقبل اس دنیا میں الٰہی امر سے وابستہ ہے کہ اس دنیا کے مدرسے میں اس نے کس قسم کی کارکردگی' جدوجہد اور سعی و کوشش یا کاہلی و سستی کا ثبوت دیا ہے۔ اس کے علاوہ پیدائش اور موت کے درمیان وہ انسان کہ جس کو بشر پہچانتا ہے' بہت سطحی اور معمولی ہے بہ نسبت اس انسان کے جسے پیغمبروں نے پہچنوایا ہے۔ قرآن کے انسان کو ان باتوں کا علم حاصل کرنا چاہیے کہ وہ کہاں سے آیا ہے ؟ کہاں جائے گا ؟ کہاں پر ہے ؟ اسے کیا

ہونا چاہیے ؟اور کیا کرنا چاہیے ؟

اگر قرآن کا انسان ان پانچ سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دے لے گا تو اس دنیا میں جس میں وہ ہے اور اس دنیا میں جہاں وہ جائے گا اس کی سعادت و خوش بختی کی ضمانت فراہم ہو جائے گی۔ اس انسان کو یہ جاننے کے لئے کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کس سرچشمے سے اس کا آغاز ہوا ہے' چاہیے کہ اپنے اللہ کو پہچانے اور اپنے اللہ کو پہچاننے کی غرض سے دنیا اور انسانوں کے بارے میں آفاقی اور نفسی نشانیوں کی حیثیت سے مطالعہ اور غور فکر کرے اور وجود و ہستی کی گہرائیوں کا بنظر غائر جائزہ لے اور ان چیزوں کے بارے میں جنہیں قرآن خدا کی طرف واپسی قرار دیتا ہے' یعنی قیامت' حشر و نشر' قیامت کے خطرات' ہمیشہ رہنے والی نعمتیں اور سخت عذاب اور اس کا کچھ لوگوں کے لئے ابدی ہونا... مختصر یہ کہ بعد از موت جو جو مراحل پیش آنے والے ہیں' ان میں غور و فکر کرے اور ان کی معرفت حاصل کرے' ان سب پر عقیدہ رکھے' ان پر ایمان لائے اور خدا کو جس طرح "اول" اور موجودات کا نکتہ آغاز جانتا ہے' اسی طرح "آخر" اور تمام موجودات کی بازگشت و واپسی کے لیے نکتہ "بازگشت" بھی جانے اور یہ جاننے کے لئے کہ وہ کہاں ہے ؟ دنیا کے نظاموں اور طور طریقوں کو پہچاننے اور تمام موجودات کے درمیان انسان کے مقام و منزلت کو سمجھنے کی کوشش کرے اور موجودات کے درمیان اپنی حقیقت کو پھر سے پالے اور یہ جاننے کے لیے کہ اسے کیسا ہونا چاہیے انسانی خصلتوں اور عادتوں کو پہچانے اور اپنے آپ کو انہی اخلاق و خصائل کی بنیاد پر استوار کرے اور انہی کے مطابق خود کو ڈھالنے کی کوشش کرے۔ یہ جاننے کے لئے کہ اسے کیا کرنا چاہیے انفرادی و اجتماعی مقررہ امور و احکام کی پیروی کرے۔ ان مذکورہ تمام باتوں کے علاوہ قرآنی انسان کو چاہیے کہ غیر محسوس اور دکھائی نہ دینے والی موجودات اور خود قرآن کے الفاظ میں "غیب" پر ان کے ارادہ الٰہی کے مظہر اور واسطہ ہونے کی حیثیت سے ایمان لائے اور نیز یہ جانے کہ خداوند متعال نے کسی زمانے اور کسی وقت میں بھی بشر کو جو آسمانی ہدایت کا ہمیشہ محتاج رہا ہے' مہمل اور بغیر ہادی کے نہیں چھوڑا ہے اور ہمیشہ اللہ کے برگزیدہ افراد' جو اللہ کے پیغمبرؑ اور خلق خدا کے رہنما رہے ہیں' خداوند عالم کی طرف سے مبعوث ہوتے اور الٰہی پیغام کو بندوں تک پہنچاتے رہے ہیں۔

قرآن کا انسان کائنات پر ایک آیت و نشانی کی حیثیت سے اور دنیا کی تاریخ پر ایک تجربہ گاہ کے عنوان سے جو پیغمبروں کی تعلیمات کے صحیح ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہے' نگاہ ڈالتا ہے ! ہاں قرآن کا انسان ایسا ہی ہے اور قرآن میں انسان کے واسطے جو مسائل پیش کیے گئے ہیں' وہ دوسرے چند مسائل کے علاوہ ہیں۔

قرآنی مضامین

قرآن کریم میں جو موضوعات پیش کئے گئے ہیں' وہ بہت زیادہ ہیں اور انہیں الگ الگ شمار نہیں کیا جا سکتا' پھر بھی مندرجہ ذیل مسائل پر اجمالاً نظر ڈالی جا سکتی ہے۔

(۱)۔ اللہ اور اس کی ذات' صفات اور یکتائی اور وہ چیزیں جن سے ہمیں اللہ کو منزہ سمجھنا چاہیے اور وہ چیزیں جن سے ہمیں خدا کو متصف سمجھنا چاہیے۔ (صفات سلبیہ اور صفات ثبوتیہ)

(۲)۔ قیامت' محشر' تمام اموات کو زندہ کر کے اٹھانا اور موت سے لے کر قیامت تک کے مراحل (برزخ)

(۳)۔ ملائکہ : فیض رسانی کے ذرائع' وہ غیر مرئی قوتیں جو خود آگاہ بھی ہیں اور خدا آگاہ بھی اور خدا کے احکام جاری کرنے والے ہیں۔

(۴)۔ انبیاء و مرسلین یا وہ انسان جو وحی الٰہی کو اپنے ضمیر میں دریافت کرتے ہیں اور اسے دوسرے انسانوں تک پہنچاتے ہیں

(۵)۔ اللہ پر ایمان لانے اور قیامت' ملائکہ' پیغمبروں اور آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کے لئے رغبت اور شوق دلانا۔

(۶)۔ آسمانوں' زمینوں' سمندروں' درختوں' حیوانات' بادل' ہوا' بارش' برف' اور اولے' اور ٹوٹنے والے ستاروں وغیرہ کی خلقت اور ان پر غور و فکر۔

(۷)۔ خدائے واحد و یکتا کی عبادت اور اس میں خلوص نیت پیدا کرنے' کسی شخص یا کسی چیز کو عبادت میں خدا کا شریک قرار نہ دینے کی طرف دعوت اور غیر خدا چاہے وہ کوئی انسان ہو یا فرشتہ' سورج ہو یا ستارہ' درخت ہو یا بت' کی عبادت و پرستش کی سخت ممانعت۔

(۸)۔ اس دنیا میں خداوند عالم کی نعمتوں کو یاد دلانا۔

(۹)۔ نیک کاروں اور اعمال صالحہ بجالانے والوں کے لئے اس دنیا کی ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتیں اور بدکاروں اور سرکشوں کے لئے اس دنیا کا سخت عذاب اور کچھ لوگوں کے لئے ابدی عذاب

(۱۰)۔ اللہ کے وجود اور وحدانیت اور پیغمبروں کے بارے میں دلیلوں اور حجتوں کا بیان اور ان بیانات کے ضمن میں کچھ غیبی خبروں کا ذکر۔

(۱۱)۔ ایک انسانی تجربہ گاہ اور لیبارٹری کے عنوان سے تاریخ اور قصے جو پیغمبروں کی دعوت کی حقانیت کو روشن کرتے ہیں اور انبیاء کی سیرت پر عمل کرنے والوں کا انجام خیر ہونا اور انبیاء کی تکذیب کرنے والوں کا برا انجام بیان کرتے ہیں۔

(۱۲)۔ تقویٰ و پرہیز گاری اور تزکیہ نفس۔

(۱۳)۔ نفس امارہ اور نفسانی خواہشات اور شیطانی وسوسوں کے خطرات کی طرف متوجہ رہنا۔

(۱۴)۔ اچھے انفرادی اخلاقیات' جیسے شجاعت' استقلال و پائیداری' صبر' عدالت' احسان' محبت' ذکر خدا' خدا سے محبت' شکر خدا' خدا سے ڈرتے رہنا' خدا پر بھروسہ' خدا کی خوشی پر راضی رہنا اور فرمان خدا کے سامنے سر جھکا

دینا، عقل سے کام لینا، سوچنا اور غور فکر کرنا، علم و معرفت کا حصول اور تقویٰ سچائی اور امانت کے ذریعے دل میں نورانیت پیدا کرنا۔

(۱۵)۔ اجتماعی اخلاق جیسے اتحاد و یکجہتی اور ہم آہنگی، آپس میں ایک دوسرے کو حق و صبر کی وصیت کرتے رہنا، نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا، بغض و حسد کو دل سے نکال پھینکنا اچھے کاموں کا حکم دینا اور برائیوں سے منع کرنا، راہ خدا میں جان و مال کے ذریعے جہاد کرنا وغیرہ۔

(۱۶)۔ احکام جیسے نماز، روزہ، خمس، حج، جہاد، نذر، قسم تجارت، رہن، اجرہ، ہبہ، زوجین کے حقوق، والدین اور اولاد کے حقوق، طلاق، لعان، ظہار، وصیت، میراث، قصاص، حدود و تعزیرات، قرض، قضا، گواہی، حلف (قسم)، ثروت، مالکیت حکومت، شوریٰ، فقراء کا حق، معاشرے کا حق وغیرہ وغیرہ۔

(۱۷)۔ رسول اکرمؐ کے ۲۳ سالہ دور بعث کے حادثات و واقعات۔

(۱۸)۔ رسول اکرمؐ کے احوال و خصوصیات، آپ کی صفات حمیدہ اور جن مصائب سے آپؐ دوچار ہوئے۔

(۱۹)۔ ہر زمانے کے تین گروہوں، مومنوں، کافروں اور منافقوں کی عام صفات کا بیان۔

(۲۰)۔ دور بعثت کے، مومنین، کافرین، منافقین کے اوصاف کا ذکر

(۲۱)۔ فرشتوں کے علاوہ دوسری دکھائی نہ دینے والی مخلوقات، جنات اور شیطان وغیرہ۔

(۲۲)۔ تمام موجودات عالم کا حمد و تسبیح کرنا اور تمام موجودات کے اندر اپنے خالق و پروردگار کے بارے میں ایک قسم کی آگاہی کا ہونا۔

(۲۳)۔ خود قرآن کی توصیف (تقریباً پچاس اوصاف کا ذکر)

(۲۴)۔ دنیا اور دنیا کی سنتیں، دنیوی زندگی کی ناپائیداری اور اس کا اس قابل نہ ہونا کہ انسان کا آئیڈیل اور اس کی کامل آرزو قرار پائے اور یہ کہ خدا اور آخرت یعنی ہمیشہ باقی رہنے والی دنیا ہی اس قابل ہے کہ انسان کا انتہائی مقصود و مطلوب قرار پائے۔

(۲۵)۔ انبیائے کرام کے معجزات اور غیر معمولی افعال۔

(۲۶)۔ گذشتہ آسمانی کتابوں کی تائید و تصدیق خصوصاً تورات و انجیل کی اور ان دونوں کتابوں میں کی جانے والی تحریفوں اور غلطیوں کی تصحیح۔

معانی قرآن کی وسعت

اوپر جو باتیں بیان کی گئی ہیں، وہ قرآن مجید میں بیان شدہ موضوعات و مضامین کی ایک اجمالی فہرست ہے، پھر بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ اختصار کے لحاظ سے بھی یہ کافی ہیں، اگر خدا، انسان اور دنیا کے بارے میں انہی مختلف

موضوعات کو نظر میں رکھیں اور ان کا انسان کے بارے میں لکھی گئی کسی بھی کتاب سے موازنہ کریں' تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ کوئی کتاب بھی قرآن سے موازنے کی منزل پر نہیں آسکتی' بالخصوص اس نکتے کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ قرآن ایک ایسے شخص کے ذریعے سے نازل ہوا ہے' جو امی اور ان پڑھ تھے اور کسی عالم و دانش مند کے افکار سے واقف و آشنا نہیں تھے اور مزید بر آں بطور خاص اگر ہم اس امر پر غور کریں کہ ایسے شخص کا ظہور ایسے ماحول میں ہوا تھا' جو ہمارے بشری ماحول سے زیادہ جاہل ماحول تھا اور اس ماحول کے لوگ عموماً علم و تمدن سے بے گانہ محض تھے' قرآن نے ان سے بہت وسیع معانی و مطالب بیان کئے ہیں اور انہیں اس طرح پیش کیا ہے کہ بعد میں خود قرآن ہر قسم کے استفادے کا منبع و سرچشمہ بن گیا۔ فلاسفہ کے لئے بھی اور علمائے فقہ و اخلاق و تاریخ وغیرہ کے لئے بھی یہ امر ناممکن بلکہ محال ہے کہ کوئی فرد بشر خواہ وہ کتنا ہی بڑا فلسفی و دانشور ہو' اپنی طرف سے ان سب معانی و مطالب کو ایسی معیاری سطح پر بیان کر سکے' جو دنیا کے بڑے بڑے علماء اور دانش وروں کے افکار کو اپنی طرف متوجہ کر لے۔ یہ تو اس صورت میں ہے' جب ہم قرآنی مطالب کو علماء کے بیان کردہ مطالب کی سطح کے برابر فرض کریں' لیکن اہم اور لطیف بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے ان میں سے بیشتر مسائل میں نئے نئے افق پیدا کر دیئے ہیں۔

اللہ اور قرآن :

یہاں ہم مذکورہ بالا موضوعات میں سے صرف ایک موضوع کی طرف اشارہ کریں گے اور وہ موضوع خدا اور جہان اور انسان سے اس کا رابطہ اور تعلق ہے' ہم اگر اسی ایک موضوع کے بیان کرنے پر اکتفا کریں اور اس کا موازنہ انسانی افکار و نظریات سے کریں' تو قرآن کا غیر معمولی نوعیت کا ہونا اور معجزہ ہونا ثابت ہو جائے گا۔

قرآن نے خدا کی صفات بیان کی ہیں اور اس توصیف میں ایک طرف تو اسے پاک اور منزہ قرار دیا ہے اور اس کی ایسی صفات کی نفی کی ہے' جو اس کے شایان شان نہیں ہیں اور اس کو ان صفات سے پاک و منزہ جانا ہے اور دوسری طرف صفات کمال اور اسماء حسنیٰ کو ذات خدا کے لئے ثابت کیا ہے۔ تقریباً ۱۵ آیتیں خداوند عالم کی تنزیہ میں نازل ہوئی ہیں اور تقریباً پچاس (۵۰) آیتوں سے زیادہ ایسی ہیں' جو صفات کمال اور اسمائے حسنیٰ سے خداوند عالم کے متصف ہونے کے بارے میں ہیں۔ قرآن مجید اپنی ان توصیفات میں ایسا باریک بین نظر آتا ہے' جس نے زیادہ سے زیادہ عمیق فکر و نظر رکھنے والے علماء الٰہی کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور یہ خود ایک امی اور ناخواندہ شخص کا روشن ترین معجزہ ہے۔ قرآن نے معرفت اور خداشناسی کی راہیں دکھانے کے لئے تمام موجود راہوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ آفاقی اور نفسی نشانیوں کے مطالعہ کا راستہ' نفس کے تزکیہ اور اس کی صفائی کا راستہ' بطور کلی وجود ہستی کے بارے میں گہرائی کے ساتھ غور فکر کا راستہ۔ قابل ترین مسلمان فلاسفہ نے اپنی محکم اور مضبوط ترین دلیلوں کو اپنے اقرار اور اعتراف کے مطابق قرآن مجید ہی سے اخذ کیا ہے۔

قرآن نے دنیااور مخلوقات کے ساتھ خدا کے رابطے کو توحید محض کی بنیاد پر قرار دیا ہے 'یعنی خداوند متعال اپنی فعالیت اور اپنے ارادے و مشیت کو نافذ کرنے میں اپنا کوئی مد مقابل اور رقیب نہیں رکھتا' اس کے تمام افعال اور ارادے اور سارے اختیارات اسی کے حکم اور اسی کی قضاو قدر کے تحت ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

انسان کا خدا سے رشتہ و تعلق

قرآن کریم نے خدا کے ساتھ انسان کے رشتہ اور تعلق کو دلکش ترین انداز میں بیان کیا ہے۔ قرآن کا خدا' فلسفیوں کے خدا کے بر خلاف ایک خشک و بے روح اور بشر سے یکسر بیگانہ وجود نہیں ہے۔ قرآن کا خدا انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے نزدیک ہے 'انسان کے ساتھ لین دین رکھتا ہے اور اس کے مقابل میں انسان کو اپنی رضا و خوشنودی عطا کرتا ہے۔ اس کو اپنی طرف جذب کرتا ہے اور اس کے دل کے آرام و سکون اور اطمینان کا سرمایہ ہے :

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنَّ الْقُلُوْبُ (سورہ الرعد۔ آیت ۲۸)

انسان خدا سے انسیت اور الفت رکھتا ہے۔ بلکہ تمام موجودات اس کو چاہتے ہیں اور اسی کو پکارتے ہیں۔ تمام موجودات عالم اپنے اپنے وجود کی گہرائی سے اس کے ساتھ رازدارانہ رابطہ اور تعلق رکھتے ہیں 'اس کی حمد جالاتے ہیں اور اس کی تسبیح کرتے ہیں :

اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ (الاسراء۔ ۴۴)

فلسفیوں کا خدا جس کو وہ لوگ صرف محرک اول اور واجب الوجود کے نام سے پہچانتے ہیں اور بس ایک ایسا موجود ہے 'جو بشر سے بالکل بے گانہ ہے 'جس نے انسان کو صرف پیدا کر دیا ہے اور اسے دنیا میں بھیج دیا ہے لیکن قرآن کا خدا ایک مطلوب ہے 'انسان کی دلبستگی کا سرمایہ ہے 'وہ انسان کو پر جوش بناتا اور ایثار و قربانی پر آمادہ کرتا ہے۔ کبھی کبھی تو اس کی رات کی نیند اور دن کے سکون کو بھی چھین لیتا ہے کیونکہ وہ ایک غیر معمولی مقدس خیال و تصور کی صورت میں مجسم ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ ش

مسلمان فلاسفہ نے قرآن سے آشنا ہونے اور قرآنی مفاہیم و مطالب کو پیش کرنے کے نتیجے میں الٰہیات کی بحث کو عروج پر پہنچادیا ہے۔ کیا یہ بات ممکن ہے کہ ایک امی اور ناخواندہ شخص جس نے نہ تو کسی استاد کے پاس تعلیم حاصل کی اور نہ کسی مکتب میں گیا ہو 'اس حد تک الٰہیات میں ترقی کر جائے کہ افلاطون اور ارسطو جیسے فلاسفہ سے ہزاروں سال آگے بڑھ جائے ؟

قرآن 'تورات اور انجیل :

قرآن نے تورات و انجیل کی تصدیق کی ہے 'لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ ان کتابوں میں تحریف کی گئی

ہے اور خائنوں کے ہاتھ ان کتابوں کی تحریف میں ملوث ہیں۔ قرآن نے الہیات، پیغمبروں کے واقعات اور چند دوسرے قواعد و ضوابط اور معینہ امور کے بارے میں ان دونوں کتابوں کی غلطیوں کی اصلاح اور تصحیح کی ہے، جس کا ایک نمونہ تو وہی تھا کہ جس کا تذکرہ شجرہ ممنوعہ اور خطائے آدم کے بارے میں ہم نے اپنی تفصیلی بحثوں اور کتب میں بیان کر دیا ہے۔ قرآن نے خدا کشتی لڑنے جیسے افعال و حرکات اور پیغمبروں کو نامناسب باتوں کی طرف منسوب ہونے سے جو گذشتہ کتابوں میں ذکر کی گئی ہیں، پاک و منزہ قرار دیا ہے اور یہ خود اس کتاب کی حقانیت کی ایک دلیل ہے۔

تاریخی واقعات اور قصے

قرآن مجید نے ایسے تاریخی واقعات اور قصے بیان کئے ہیں کہ اس زمانے کے لوگ ان کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے تھے، خود پیغمبرؐ بھی ان لاعلم تھے :

مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ

انہیں نہ تم جانتے تھے اور نہ ہی تمہاری قوم جانتی تھی۔

اور عرب کے تمام لوگوں میں سے کوئی ایک شخص بھی اس کا مدعی نہیں ہوا کہ ہم ان قصوں کو جانتے ہیں۔ قرآن نے ان قصوں کو بیان کرنے میں توریت و انجیل کی پیروی نہیں کی ہے، البتہ ان کی اصلاح ضرور کر دی ہے، قوم سبا، قوم ثمود وغیرہ کے بارے میں عصر جدید کے مورخین کی تحقیقات بھی قرآنی نظریے کی تائید کرتی ہیں۔

قرآن اور اس کی پیش گوئیاں :

نے جب ۶۱۵ء میں ایران نے روم کو شکست دی اور یہ امر قریش کی مسرت و خوشی کا باعث ہوا، تو قرآن کریم نے پورے یقین و اعتماد کے ساتھ کہا کہ دس سال کے نہایت قلیل عرصے میں روم ایران کو شکست دے دے گا۔ اس واقعہ کے بارے میں بعض مسلمانوں اور بعض کافروں کے درمیان شرط بندی ہو گئی۔ بعد میں ویسا ہی ہوا جیسا کہ قرآن نے خبر دی تھی، اسی طرح قرآن نے پورے قطع و یقین کے ساتھ خبر دی کہ جو شخص پیغمبر اکرمؐ کو ابتر (مقطوع النسل) کہتا ہے، وہ خود ہی مقطوع النسل ہے۔ اس وقت اس شخص کے کئی بیٹے تھے لیکن صرف دو تین نسلوں کے اندر وہ تدریجاً بالکل ختم ہو گئے۔ یہ ساری باتیں اس کتاب میں معجزہ ہونے کا پتہ دیتی ہیں، قرآن میں اور بھی علمی و معنوی معجزات موجود ہیں، جو فلسفی، طبعی اور تاریخی علوم سے مربوط ہیں۔

کتابتِ قرآن پر ایک نظر

علامہ شیخ محسن علی نجفی

اسلام سے پہلے عرب قوم کتابت اور اس کی تدریس سے بالکل نابلد تھی' چنانچہ مکہ میں اسلام سے پہلے صرف ایک فرد کتابت سے واقف تھا۔(۱؎)

یہ فرد حرب بن امیہ بن عبد شمس تھا۔ اس نے مکہ سے دور کے علاقوں کی طرف اپنے سفر کے دوران متعدد لوگوں سے کتابت سیکھی' صدر اول کے کاتبوں کی فہرست میں بشر بن عبد الملک صاحب دومۃ الجندل کا نام بھی شامل ہے' بشر بن عبد المالک مکہ میں آیا اور لوگوں کو کتابت سکھائی' چنانچہ ایک شاعر نے اس کے اس عمل کو سراہتے ہوئے کہا:

ولا تجحدوا نعماء بشر علیکمو　　فقد کان میمون النقیبة ازهرا

اتاکم بخط الجزم حتی حفظتمو　　من المال ما قد کان شتی مبعثرا (۲؎)

البتہ مبعث کے دنوں میں سترہ افراد کتابت جانتے تھے اور مدینہ میں یہودیوں کی وجہ سے دس غیر یہودی افراد بھی کتابت جانتے تھے۔

بعثت نبوی کے بعد اسلام نے کتابت کو حصول علم کا ایک اہم ذریعہ ہونے کے اعتبار سے علم اور قلم کو باہم لازم و ملزوم قرار دیا' چنانچہ ابتدائے وحی میں جس چیز کا سب سے پہلے ذکر آیا ہے۔ وہ قرأت علم اور قلم ہے۔

اِقۡرَاۡ وَ رَبُّكَ الۡاَكۡرَمُ الَّذِىۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ

پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی ہے۔(۳؎)

حدیث نبویؐ میں آیا ہے :

مداد العلماء افضل من دماء الشہداء

علماء کے (قلم) کی سیاہی خون شہداء سے افضل ہے۔

جنگ بدر میں ساٹھ مشرکین قیدی بن گئے۔ رسول اکرمؐ نے ان قیدی مشرکین میں سے ہر ایک کا فدیہ دس مسلمانوں کو کتابت کی تعلیم قرار دی۔ اس طرح رسول اسلامؐ نے کتابت اور خواندگی کو آزادی کا ہم پلہ قرار دیا' اس واقعہ سے اسلامی تمدن کی تشکیل اور اسلام اور علم کے درمیان مضبوط رشتے کا اندازہ ہوتا ہے۔

کتابت کے آلات

عصر رسالت میں تدوین کتب رسل ورسائل کے لیے درج ذیل اشیاء کاغذ کی جگہ استعمال ہوتے تھے۔

۱۔	العسب	کھجور کی چھالیں۔
۲۔	لخاف	سفید باریک پتھر
۳۔	رفاع	چمڑوں کے ٹکڑے
۴۔	کتف	بکری کے شانوں کی ہڈیاں
۵۔	قتب	پالان کی لکڑی
۶۔	شظاظ	وہ لکڑی جس سے توبرہ کے منہ باندھتے تھے
۷۔	اشار	چیرے ہوئے تختے
۸۔	قضیم	چمڑہ کاغذ اور آبریشم کے ٹکڑے
۹۔	رق	نازک چمڑا [فی رق منشور]
۱۰۔	حریر	ابریشم کا کپڑا
۱۱۔	قراطیس	کاغذ

ان چیزوں میں سے اکثر کاغذوں اور چمڑوں پر کتابت ہوا کرتی تھی' چنانچہ رسول کریمؐ کی طرف سے جاری شدہ امان نامے اور مختلف سربراہوں کیطرف لکھے جانے والے خطوط چمڑوں پر لکھے ہوئے ہیں۔ اس زمانے میں چین کاغذ سازی میں سب سے آگے تھا۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں بھی کاغذ بنتا تھا اور یمن میں فروخت ہوتا تھا اور رومی بھی کاغذ بناتے تھے اور شام میں فروخت کرتے تھے' ایرانی بھی کاغذ بناتے تھے اور عراق میں فروخت کرتے تھے۔

رسالتمآب کے زمانے میں درج بالا اشیاء پر کتابت ہوا کرتی تھی اور اگر ان مختلف ٹکڑوں میں سے کسی پر قرآن کی کتابت کی جاتی تو اسے صحیفہ کہتے تھے اور اگر ان کو ایک کتابی شکل میں جمع کیا جاتا تو اسے مصحف کہتے تھے۔

حضرت عثمان کے دور میں قرآن سوزی کے واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں قرآن کاغذوں پر لکھے جاتے تھے۔

مابین الدفتین :

جانور کی کھال سے بنی ہوئی جلد کو دف کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اہم دستاویزات کو ان پر لکھا جاتا تھا اور بعد میں کاغذ پر لکھنا شروع ہوا' اسے محفوظ رکھنے کے لیے چمڑے کی دو جلدوں کے درمیان محفوظ کر لیا جاتا تھا' یہاں سے ان دونوں جلدوں کو دفتین اور کتابت میں محفوظ موضوع کو مابین الدفتین کہا جانے لگا۔

خود قرآن سے عندیہ ملتا ہے کہ صدر الاسلام میں کتابت کے لیے لچک دار چیزیں موجود تھیں' چنانچہ قرآن کہتا ہے :

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ

اس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جس طرح خطوں کا طومار لپیٹا جاتا ہے۔ (۴)

نیز ارشاد فرمایا :

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ

اور اگر ہم آپ پر کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب بھی نازل کر دیتے اور یہ اپنے ہاتھ سے چھو بھی لیتے۔ (۵)

اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

ہم اس میں تمہارے اعمال کو برابر لکھوا رہے تھے۔ (۶)

قرآن سے قرآن کی کتابت کا ثبوت

قرآن کی کتابت کے بارے میں یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی حضرت رسول اکرمؐ کسی ایک کاتب کو بلا لیتے اور لکھنے کا حکم فرماتے چنانچہ :

املاء فرمانے کے بعد کاتب سے فرماتے : جو کچھ لکھا ہے وہ پڑھ کر سنا دے۔ (۷) کاتب سنا دیتا' اگر کوئی غلطی سرزد ہوئی ہوتی تو حضورؐ اس کی اصلاح فرماتے تھے۔ مشرکین مکہ بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ کچھ لکھاتے ہیں اور کاتبین املاء کرتے ہیں۔ چنانچہ سورہ فرقان میں ارشاد فرمایا :

وَ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا

لوگ کہتے ہیں کہ قرآن اگلوں کی داستانیں ہے جن کو اس شخص نے لکھوالیا ہے' پھر وہی اس شخص کو صبح و شام سنایا جاتا ہے۔ (۸)

خود قرآن سے اس بات پر بھی شہادت ملی جاتی ہے آغاز نزول قرآن سے ہی قرآن ضبط تحریر میں آیا کرتا تھا' چنانچہ ہجرت سے سات سال پہلے نازل ہونے والے سورہ بینہ میں ارشاد ہوتا ہے :

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً

اللہ کا "رسول" پاک صحیفوں کی تلاوت فرماتا ہے۔

اور سورہ عبس میں قرآن کے بارے میں ارشاد ہوا :

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهُ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ

قرآن تو بس ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے اسے قبول کرے وہ (قرآن) معزز بلند مقام پاک صحیفوں میں ثبت ہے۔

وَالطُّوْرِ وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ

قسم ہے طور کی اور کھلے کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب کی۔(۱۰-)

کاتبان وحی

قرآن مجید ایک متوسط سی کتاب ہے جو ۲۳ سالوں میں بتدریج قلب رسولؐ پر نازل ہوا۔ بظاہر ایک دو کاتب اس مقصد کے لیے کافی ہونے چاہئیں لیکن کاتبین کی تعداد بعض مورخین کے مطابق ۴۳ تک پہنچ جاتی ہے' ان میں سب سے زیادہ حضرت علیؑ اور مدنی زندگی میں حضرت زید بن ثابت کا نام زیادہ سننے میں آتا ہے۔

بعض مؤرخین نے جن ۴۳ افراد کا نام کاتبین وحی میں درج کیا ہے ان میں سے بعض حضرات کے کاتب وحی ہونے کا ثبوت نہیں ملتا تاریخ دمشق نے کاتبین وحی کی تعداد ۲۳ بتائی اور بعض نے تو یہ تعداد ۴۵ تک پہنچادی ہے۔ لیکن قابل توجہ امر یہ ہے کہ بعض اصحاب نے جو لکھنے اور قرأت قرآن میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور ان میں سے بعض کے بارے میں یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے زمان رسول ہی قرآن جمع کیا تھا' انکا نام کاتبین وحی میں نظر نہیں آتا مثلاً انس بن مالک' منذر بن عمرو اسید بن حضر' رافع بن مالک' ابو عبیدہ بن جراح' سعد بن عبید' ابو الدرداء وغیرھم

جبکہ کاتب وحی عبداللہ بن سعد بن ابی السرح مرتد ہو گیا' فتح مکہ کے موقع پر یہ شخص ان چھ افراد میں شامل تھا جن کے بارے میں رسول اللہؐ یہ حکم دیا تھا کہ ان کو ہر حالت میں قتل کرو لیکن اس شخص کو اس کے رضاعی برادر نے امان دلایا۔ کاتب وحی ہونا چونکہ ایک قابل فخر مقام تھا اس لیے کچھ لوگوں نے اپنے دور اقتدار میں اپنا نام بھی اس فہرست میں شامل کرادیا مثلاً معاویہ نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا' یعنی رسول اسلامؐ کی وفات سے صرف چھ ماہ قبل وہ مسلمانوں میں شامل ہوا۔ اس کے باوجود ابن حجر الاصابۃ میں معاویہ کو کاتبان وحی میں شامل کرتے ہیں اور حضرت علیؑ کا ذکر تک نہیں کرتے۔ اس طرح کچھ لوگوں نے یزید' ابوسفیان اور حصین بن نمیر [قاتل امام حسینؑ] کو بھی کاتبان وحی میں شامل کیا ہے۔

حواشی

۱) مناھل العرفان ۲۵۵/۱
۲) زنجانی : تاریخ القرآن ۳۱
۳) العلق ۳۔۴
۴) الانبیاء ۱۰۴
۵) الانعام۔ ۷
۶) الجاثیہ۔ ۲۹
۷) مجمع الزوائد ص ۶۰
۸) الفرقان۔ ۵
۹) عبس ۱۱۔۱۴
۱۰) الطّور ۱۔۳

قرآن فہمی مشکل ہے یا آسان؟

علامہ سید علی نقی

قرآن فہمی اور تفسیر کلام پاک کے بارے میں مختلف جماعتوں کے نقطہ نظر میں بڑا فرق ہے۔ ایک جماعت عقل انسانی کو اس کے معانی کے سمجھنے سے بالکل ہی قاصر سمجھتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن سمجھنے والے خاص افراد تھے جواب ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں لہٰذا ہم صرف ان حضرات کے اقوال پر عمل پیرا ہوسکتے ہیں براہ راست قرآن سے ہم کسی حکم شرعی یا مسئلہ اعتقادی کو نہیں سمجھ سکتے ۔ یہ ہمارے یہاں کی اخباری جماعت ہے جس نے ادلہ احکام سے کتاب الٰہی کو بالکل خارج کردیا ہے اور اپنے عمل کا دارومدار صرف اخبار واحادیث پر رکھا ہے۔

دوسری طرف وہ جماعت ہے جو قرآن مجید کی ہدایات کو اپنے لیے کافی قرار دے کر سنت کو بالکل نظر انداز کرتا ہے ۔ یہ فرقہ مسلمانوں میں " اہل قرآن " کے نام سے موجود ہے جو اپنے تمام افعال وعبادات اور دیگر احکام شرعیہ کی بنیاد' قرآن مجید پر رکھنے کا دعویدار ہے ۔ یہ دونوں ہی مسلک افراط وتفریط کے کرشمے ہیں۔

قرآن کے لیے پہلے ہی پارے کے آغاز میں یہ اعلان موجود ہے کہ "**ھدی للمتقین**" (۱) "یہ رہنما پرہیزگاروں کے لئے ہے" دوسری جگہ کہا گیا ہے ۔" **ھدی للناس** " (۲) تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے اس سے ظاہر ہے کہ اس کا دائرہ بجائے خود تمام انسانوں کے لیے صدائے عام کی حیثیت رکھتا ہے۔ بیشک اس صدا پر آتے وہی ہیں جو متقین ہیں یعنی اندیشہ انجام اور فکر نجات رکھتے ہیں کہیں اس کو ضیاء (روشنی) کہیں ذکر (یاد آوری کا سامان) کہیں تبصرہ (آنکھیں کھولنے والا) کہیں **شفاء لما فی الصدور** (۳) (سینوں کے اندرونی امراض شک و شبہ اور کفرونفاق وغیرہ کا علاج) کہیں فرقان (حق و باطل میں جدائی ڈالنے والا) اور کہیں بیان (حقیتوں کا واضح کرنے والا) وغیرہ وغیرہ کہا گیا ہے جس سے

مجموعی طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یقیناً" وہ عام خلق خدا کو فائدہ پہنچانے کے لیے اتارا گیا ہے اور دنیا کو اس کے مندرجہ مضامین پر غور کرنے اس سے نتیجہ نکالنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت ہے وہ صرف بطور اوراق وادعیہ کے زبانوں سے تلاوت کر لینے اور بطور تعویذ ونقش کے گلے ڈال لینے اور بطور ایک محترم اور مقدس چیز کے سر آنکھوں پر رکھ لینے اور بوسہ دینے کے لیے نازل نہیں ہوا ہے 'بلکہ اس لئے آیا ہے کہ اس کے مطالب وحقائق سے فائدہ اٹھایا جائے 'اس میں غور وخوص کیا جائے ۔ نیز اس سے اپنی عملی زندگی کے لیے سبق حاصل کیے جائیں۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن مجید ایک خاموش رہنما ہے وہ تعلیم کی عملی تشریح نہیں کر سکتا اور پھر اس میں اکثر مضامین بطور اجمال بیان ہوئے ہیں ۔ لہٰذا قرآن کے ساتھ ناطق رہنما کی ضرورت ہے جو اس کی تعلیمات کو اپنے عمل سے دنیا کے ذہن نشیں کرے 'اس کے مجملات کی تفصیل سمجھائے اور اس کے مبہمات کی توضیح وتفصیل بیان کرے۔

یہ معلم اور ناطق رہنما اپنے زمانہ میں پیغمبرﷺ تھے اور اس کے لئے خود قرآن مجید نے حضرت کی پیروی کی دعوت دی ۔(قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ) (۴) اور (لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ (۵) اور اسی سے کتاب کے ساتھ سنت کا ماخذ احکام ہونا ظاہر ہے۔

پھر رسول اکرمﷺ نے اپنے بعد کے لیے خاص اہل بیت کو جو تعلیمات قرآنی کا مکمل نمونہ تھے قرآن کا ساتھی بتایا اور قیامت تک کے لیے ان دونوں کے ساتھ کا اعلان فرمایا۔

مابین فریقین حضرت رسول اکرمؐ کی یہ حدیث متفق علیہ ہے جس کا مشہور و معروف متن یہ ہے۔

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ وعترتی اھلبیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی وانھما لن یفترقا حتّٰی یردا علی الحوض یوم القیٰمۃ

میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑتا ہوں اللہ کی کتاب اور میری عترت' جو میرے اہل بیت ہیں جب تک تم ان دونوں سے تمسک رکھوگے میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ دونوں وارد ہوں میرے پاس حوض کوثر پر قیامت کے روز۔ (۶)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول کے بعد قرآن کے ساتھ رہنمائی میں اہل بیت کا مقام ہے۔

اس لیے قرآن مجید کی تعلیم پر صحیح عمل کے لیے جس طرح احادیث رسول ﷺ کو سامنے رکھنا ضروری ہے 'اسی طرح آپؐ کے ان جانشینوں کے ارشادات کو بھی جن کا حضرتؐ نے عترت اور اہل بیتؑ کی لفظوں کے ساتھ تعارف کرایا ہے' سامنے رکھنا ضروری ہے۔

حسبنا کتاب اللہ "ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے" کا نعرہ پہلے تو ہنگامی طور پر بلند ہوا حضرت رسول ﷺ کے آخری دور حیات میں جب حضورؐ کی علالت پوری شدت پر تھی اور آپؐ نے قلم ودوات اور کاغذ طلب فرمایا تاکہ اپنے بعد کے لئے جو ذریعہ ہدایت ہے 'اس کی تحریری دستاویز چھوڑ جائیں تو کسی سیاسی پیش بندی کے طور پر یہ جملہ کہہ کے حضرتؐ کو آپ کے منصوبے کی تکمیل سے باز رکھا گیا 'مگر اس کے بعد بطور مسلک اس پر کوئی عمل نہیں کیا گیا ورنہ حضرت فاطمہ زہراؑ کو میراث سے محروم کرنے کے لئے اپنی ہی روایت کردہ ایک حدیث کو سند قرار نہ دیا جاتا اور اسی طرح برابر پیش آمدہ مسائل شرعیہ میں رسولؐ کے ارشادات اور فیصلوں کی تلاش کی جاتی تھی اور ان کو حجت مانا جاتا تھا بلکہ لاشعوری طور پر سہی برابر اس "حسبنا" کے تصور کی رد ہوتی رہی۔ احادیث رسول ﷺ سے بھی اور اقوال علماء سے بھی۔ چنانچہ عبیداللہ بن رافع کی روایت ہے کہ حضرت پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا الفین احد کم متکیا علیٰ اریکۃ یاتیہ الامر من امری بما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدناہ فی کتاب اللّٰہ

ایسا میں نہ دیکھوں کہ تم میں سے کوئی (اطمینان سے) گاؤ تکیہ سے لگا بیٹھا ہو اور میرا کوئی حکم اوامر یا نواہی کے قبیل سے اس کے سامنے آئے اور وہ کہے اسے نہیں جانتا ہم نے اسے کتاب الٰہی میں تو پایا نہیں ہے۔ (۷)

ایک جگہ یہ الفاظ ملتے ہیں کہ:۔

لا عرفن رجلا اتاہ الامر من امری ما امرت بہ اذ نہیت عنہ فیقول ما ھٰذا عندنا کتاب اللّٰہ لیس ھٰذا فیہ۔

میں خوب جانتا ہوں ایسے شخص کو جس کے پاس میرا کوئی حکم اوامر یا نواہی میں سے پہنچے تو وہ کہے یہ کیا ہے ؟ ہمارے پاس کتاب خدا موجود ہے اس میں تو یہ نہیں ہے۔

(۸)

ایک روایت مقدام بن معدی کرب کندی کی ہے۔

ان رسول اللّٰہ صلعم قال یوشک الرجل متکیا علی اریکۃ یحدث بحدیث من حدیثی فیقول بیننا وبینکم کتاب اللّٰہ عزوجل فما وجدنا فیہ من حلال استحللناہ وما وجدنا فیہ من حرام حرمناہ الا وان ما حرم رسول اللّٰہ مثل ما حرم اللّٰہ عز وجل

جناب رسول خداﷺ کا ارشاد ہے کہ جلدی ایسا وقت آئے گا کہ ایک شخص گاؤ تکیہ سے لگا بیٹھا ہو گا اور اس کے سامنے میری حدیث پیش ہوگی وہ کہے گا کہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کن کتاب الٰہی ہے تو جو اس میں ہمیں حلال نظر آئے گا اسے ہم حلال سمجھیں گے اور جو اس میں حرام ملے گا اسے حرام سمجھیں گے۔ خبردار، آگاہ ہوکہ جسے رسولﷺ خدا نے حرام کیا وہ ویسا ہی ہے جیسے اللہ نے حرام کیا ہو۔ (۹)

کیا اس سے بڑھ کر حسبنا کتاب اللّٰہ کی کوئی رد ہوسکتی ہے جو حضرت پیغمبر خداﷺ نے فرمائی ہے اور اس کے بعد برابر صحابہ اور تابعین اور علمائے اسلام بلا تفریق فرقہ شعوری یا لاشعوری طور پر اس تصور کی رد کرتے رہے۔

کتاب " ادب الاملاء والاستملاء " ص ۴ میں مشہور صحابی رسولؐ جناب عمران بن حصینؓ کا قول درج ہے کہ احادیث کے ذکر پر ایک شخص نے کہہ دیا کہ ارے حدیث کا ذکر چھوڑو ہم سے کتاب الٰہی کی بات کرو تو اس پر انھوں نے فرمایا:۔

انک احمق اتجد فی کتاب اللّٰہ الصلوۃ اتجد فی کتاب اللّٰہ الصوم مفسرۃ فی القرآن حکم ذلک والسنۃ تفسر ذالک

تم بے وقوف ہو کیا کتاب الٰہی میں تمہیں نماز کی تفصیل ملتی ہے۔ کیا کتاب الٰہی میں روزہ کا تفصیلی بیان ملتا ہے ۔ یہ سب احکام قرآن نے بیان کیے ہیں اور تفصیلات سنت سے معلوم ہوتی ہیں۔

بلا تفریق فرقہ فقہ اسلامی یعنی علم شریعت کی تدوین اسی اصول پر ہوئی جو "حسبنا" کی باجماع امت عملی رد تھی اسے وضاحت کے ساتھ ملا محمد عبدالصمد پشاوری نے اپنی کتاب طلب الادب میں جو قاضی شوکانی کی کتاب ادب الطلب کی تلخیص ہے اور جسے ہندوستان کے مشہور عالم نواب صدیق حسن خان قنوجی نے اپنے اہتمام سے بھوپال میں چھپوایا ہے تحریر کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں

اذالم یتقن علم السنة ولم یعرف صحیحه من سقیمه ولم یعول علیٰ اہل هٰذا الفن فی اصداره وایراده کانت مصنفاته مبنیة علیٰ غیر اساس لان علم الفقه هوما خوذ سنة الا ماصرح بحکمة القراٰن الکریم وهو قلیل۔

جب کوئی شخص سنت کا علم کافی نہ رکھتا ہوگا اور احادیث میں درست و نادرست کا امتیاز نہ کرے گا اور اس فن کے ماہرین پر دلائل قائم کرنے اور نتیجہ نکالنے میں بھروسا نہ کرے گا تو اس کے تصانیف بے بنیاد ہوں گے 'اس لیے کہ علم فقہ کا ماخذ عموماً" سنت ہے 'سوائے ان امور کے جن کی صراحت قران مجید میں ہو گئی ہے اور وہ بہت کم ہیں۔ (۱۰)

ہندوستان کے متاخرین اہل قلم بھی بلا تفریق فرقہ اس نعرہ حسبنا کی چاہے لاشعوری طور پر ہو رد کرتے ہیں جن میں سے یہاں صرف مولاناابو الکلام کی ایک تحریر کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں۔

"انسانی سعادت کے لیے تعلیم محض بالکل بیکار ہے جب تک کہ اس تعلیم کے زندہ نمونے بھی انسانوں کے ساتھ نہ ہوں جو اثر طبیعت منفعل انسانیہ پر ایک انسانی نمونہ عمل کا پڑتا ہے وہ محض تعلیم کی سماعت سے نہیں پیدا کیا جاسکتا۔ اخلاق کی کتابیں اپنی موثر تعلیمات سے انسانوں کو رلا سکتی ہیں مگر ان کے دلوں کو نہیں پھیر سکتیں۔ عدالت کا قانون مجرم کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال سکتا ہے لیکن اس کو جرم سے باز نہیں رکھ سکتا حکماء کے حکیمانہ نصائح نیکوں کی بڑی بڑی تعریفیں اور بروں کی بڑی بڑی برائیاں بتلا سکتے ہیں لیکن کسی برے انسان کو نیک نہیں بناسکتے ۔"

" بڑھتا ہے اور ذوق گنہ یاں سزا کے بعد "

لیکن برخلاف اس کے اگر ایک پاک انسان اپنی زندگی کے اندر نیکی کا عملی نمونہ رکھتا اور اس کے اعمال حیات راستبازی کے لیے اسوہ کا حکم رکھتے ہوں تو وہ صرف اپنا نمونہ دکھلا کر نہ صرف افراد واشخاص کو بلکہ اقوام وامم کے اعمال کو یکسر پلٹ سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت خلق اللہ کے لیے صرف کتابوں اور شریعتوں ہی کو نہیں بھیجا بلکہ اس کے ساتھ انبیاء کرام کی سیرت کا عملی نمونہ بھی دکھلایا ۔ وہ جس دستورالعمل کی طرف قوم کو بلاتے تھے اس کا عملی پیکر خود ان کی پاک ومطہر زندگی

تھی۔ اگر شریعت بصورت قانون تختیوں اور کاغذوں پر منقوش تھی تو بصورت وجود حی وقائم ان کی زندگی کے اندر بھی پڑھی جا سکتی تھی اگر اس کی آیات بینات حروف واصوات کی شکل میں دنیا کو دعوت دیتی تھیں تو انبیاء کرام کی زندگی عمل وفعل کے اندر سے اس کی تصویر دکھلاتی تھی۔ اگر قانون کہتا تھا کہ انسان کو ایسا کرنا چاہیے تو حیات نبوت ثابت کرکے دکھلا دیتی تھی کہ اس طرح کیا گیا اور اس طرح کیا جاسکتا ہے۔ (۱۱)

یہی ضرورت تھی جس کے لیے بعد رسول ﷺ بھی ایسی ہستیوں کی ضرورت تھی جو قرآن کی تعلیم کا مکمل نمونہ اور اپنے قول وعمل سے اس کے شارح ومفسر ہوں۔ اسی ضرورت کی تکمیل پیغمبر ﷺ نے حدیث ثقلین سے فرمائی۔

حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ جو ہم سے دور لگا تھا اور جس کی صدائے بازگشت "اہل قرآن" اور "طلوع اسلام" کی شکلوں میں بلند ہوئی جس پر سیر حاصل تبصرہ ہوچکا 'نجانے کس طرح ہمارے آس پاس اس کا ایک دھماکہ ہوگیا۔ بعض خودرو قسم کے دعویداران تحقیق کے قلم سے ان الفاظ میں کہ " قرآن آسان ہے ۔" بایں معنی کہ ہر شخص ترجمہ پڑھ کے قرآن سے مطلب نکال لے 'یہ اس کی ہدایت کے لیے کافی ہے۔ کوئی ضرورت نہیں کہ وہ تفاسیر کی طرف رجوع کرے اور اہل علم کی تشریح کا پابند ہو۔ اس کے دلائل حسب ذیل دیئے گئے ہیں:۔

پہلی دلیل قرن اول کے مسلمانوں نے قرآن پر عمل کرکے انتہائی ترقیاں حاصل کیں مگر اب مسلمان دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اس کے معنی اور مطلب صحیح طور پر نہیں سمجھتے ہیں اور اس کی ذمہ داری علمائے مذہب پر ہے جنھوں نے عام لوگوں کو اپنے پھندے میں پھانسے رکھنے کے لیے عجیب وغریب معنی اور تفسیریں لکھنا شروع کیں' عجیب وغریب مسئلے گھڑے' ان مسئلوں کو قرآنی آیات سے مطابق کرنے کی کوشش میں قرآنی آیتوں کو وہ معنی پہنائے گئے جو کہ کسی صورت سے پیدا نہیں ہوسکتے تھے۔ لہٰذا یہ کہنا شروع کردیا کہ قرآن کے معنی اور مطلب کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اس طرح سے اس گروہ نے مسلمانوں کو قرآن مجید سے دور رکھا' حالانکہ اگر اس کے معنی عوام نہیں سمجھ سکتے تھے تو لوگ اسلام کیسے لائے تھے۔ یاد رہے کہ رسولؐ کی رحلت کے ڈیڑھ سو سال بعد تک اسلام میں کوئی فرقہ نہ تھا۔ ہر فرقہ اپنے اصولوں کی سچ میں یا بادشاہت کی لاگ میں قرآن کی آیات کو اپنے مطلب کے معنی پہنانے لگا اور کچھ دن بعد وہ اس کا ایمان ہوگیا۔

دوسری دلیل کسی کتاب کی خوبی یہ ہے کہ وہ ایسی صاف اور آسان زبان میں ہو کہ پڑھنے والا

لکھنے والے کے مطلب کو سمجھ سکے اگر نہ سمجھ سکے تو لکھنے والا قصور وار ہے نہ کہ پڑھنے والا لہٰذا کسی کتاب کا مشکل زبان میں ہونا اس کا عیب ہے نہ کہ خوبی ۔ قرآن بلیغ ہے اور بلیغ وہی کلام ہے جس سے کہنے والے کا مقصد سننے والے کے ذہن میں صحیح طور سے پہنچے۔

تیسری دلیل ہم خود قرآن سے پوچھیں کہ وہ اس معاملہ میں کیا کہتا ہے ؟

قرآن میں یہ ہے کہ ہم قرآن کو ایسی کھلی اور صاف زبان میں بیان کرتے ہیں جس کو تم سمجھ سکو ،اگر اس کو ایسی زبان میں نازل کیا جاتا جس کو تم نہ سمجھ سکتے تو کوئی ایمان نہ لاتا۔ عربی کے معنی خود صاف اور کھلی ہوئی زبان کے ہیں۔

ولقد جئناهم بكتب فصلناه علىٰ علم هدًى ورحمة لقوم يومنون (۱۲)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے کتاب بھیجی ہے، وہ حکیم بھی ہے، واقف کار بھی اس نے ہر طرح سمجھ بوجھ کر کتاب کو تفصیل وار بیان کر دیا ہے۔

(۱) **حٰم ٥ تنزيل من الرحمٰن الرحيم ٥ كتاب فصلت اياته قرانًا عربيا لقوم يعلمون ٥ بشيرًا ونذيرًا فاعرض اكثرهم فهم لايسمعون ○ (۱۳)**

حم۔ یہ خدائے رحمان و رحیم کی تنزیل ہے۔ اس کتاب کی آیتیں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ یہ عربی زبان کا قرآن ہے اس قوم کے لیے جو سمجھنے والی ہو۔ یہ قرآن بشارت دینے والا اور عذاب الٰہی سے ڈرانے والا بنا کر نازل کیا گیا ہے لیکن اکثریت نے اس سے اعراض کیا ہے اور وہ کچھ سنتے ہی نہیں ہیں۔

(۲) **ولو جعلناه قرانًا اعجميًا لقالوا لولا فصلت اياته ء اعجمى وعربى: (۱۴)**

اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں نازل کر دیتے تو یہ کہتے کہ اس کی آیتیں واضح کیوں نہیں ہیں اور یہ عجمی کتاب اور عربی انسان کا ربط کیا ہے۔

ان آیتوں سے دو باتیں بالکل صاف ہوگئیں۔

(۱) قرآن عربی زبان میں اس قوم کے لیے جو عربی جانتی تھی یعنی جس کی مادری زبان عربی تھی، کھول کر بیان کردیا گیا ہے اور ایسی زبان میں قرآن نہیں ہے جس کو عرب نہ سمجھ سکتے تھے۔ اور

(۲) ایمان نہ لانے کی یہ وجہ نہیں تھی کہ لوگ سمجھتے نہ تھے بلکہ منہ پھیر کر چل دیتے تھے اور سنتے ہی نہ تھے یعنی صحیح طور سے متوجہ نہیں ہوتے تھے

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر

ہم نے تو قرآن کی نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کردیا ہے ۔ تو ہے کوئی جو نصیحت حاصل کرے۔ (۱۵)

اس ایک آیت کو سورہ القمر کے اندر چار مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ کیا اس سے زیادہ زوردار الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ قرآن آسان ہے۔

چوتھی دلیل: ہم خود قرآن کو پڑھیں اور دیکھیں کہ سمجھ میں آتا ہے یا نہیں ؟

قرآن کے لفظی معنی لیکچر کے ہیں۔ قرآن میں ۱۱۴ سورے ہیں۔ ہر سورہ بجائے خود ایک لیکچر ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ ان لیکچروں کے درمیان میں لوگوں نے سوالات کردیئے ہیں۔ ان کا جواب دے کر اصل مضمون کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔

موضوع قرآن حسب ذیل ہے :

(۱) خدا کی عبادت کرو (توحید)

(۲) ایک ایسے دن پر ایمان لاؤ جس دن اپنے کیے دھرے کا جواب دینا ہوگا۔ (یعنی قیامت)

(۳) ایک آدمی کو دوسرے آدمی کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیے اور لڑائی کے وقت کیسا برتاؤ کرنا چاہیے اور لڑائی کیسی لڑنی چاہیے (یعنی معاشرتی واحکامات وغیرہ)

(۴) ذیل کے اعتراضات کو ملاحظہ فرمائیے۔ ان میں سے دو اعتراض حضرت محمدؐ پر ہیں اور دو قرآن کریم پر۔

(الف) رسولؐ خدا پر دو اعتراض:

(۱) چوں کہ محمدؐ ایسے انسان ہیں جیسے دیگر انسان ہوا کرتے ہیں لہٰذا محمدؐ رسول نہیں ہو سکتے۔

(۲) چوں کہ محمدؐ معجزہ نہیں دکھاتے ہیں لہٰذا رسول نہیں سکتے۔

(ب) قرآن پر دو اعتراض :۔

(۱) قرآن نازل وازل کچھ نہیں ہوا، محمدؐ کی من گڑھت ہے۔

(۲) پہلے خدا کی بھیجی ہوئی کتابیں موجود ہیں لہٰذا اب ایک اور کتاب نازل ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

(۵) پرانے رسولوں کے قصے:۔

ان لیکچروں کا مضمون بہت چھوٹا سا ہے ان مضمونوں کو ہر لیکچر میں دہرایا گیا ہے۔

کہیں لوگوں نے سوالات بھی کیے ہیں ۔ خاص معاملات بھی آپڑے ہیں ۔ سوالات کے جوابات اور معاملوں کے متعلق حکم بھی کیے ہیں۔

اوپر بیان کیے ہوئے موضوع قرآن کو مدنظر رکھ کر قرآن کو پڑھیے اور پھر دیکھیے کہ قرآن سمجھ میں آتا ہے یا نہیں ۔ قرآن میں ایک ہی بات کو بار بار دہرایا گیا ہے ۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ کسی طرح سے تو بات لوگوں کے دماغوں میں سمائے ۔ اگر ایک لفظوں میں بات سمجھ میں نہیں آئی تو اسے دوسرے لفظوں میں بیان کیا گیا ' اگر ایک طریقہ سے بات سمجھ میں نہیں آئی تو اسے دوسرے طریقہ سے بیان کیا گیا اگر اصول سمجھ میں نہ آیا تو مثال دی گئی ۔ ان اصولوں کو قصوں کی شکل میں بیان کیا گیا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن جاہل سے جاہل اور عالم سے عالم دونوں کے لیے ہے۔

دوسرا اصول قرآن کو بلکہ ہر کتاب کو سمجھنے کا اس کے معنوں پر غور کرنا ہے۔

ان فی ذالک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع و ھو شھید

یہ اس شخص کے لئے جو عقل رکھتا ہے یا کان دھر کے سنتا ہے اور دل سے حاضر ہے'
ایک تذکر اور نصیحت ہے۔ (۱۶)

افلا یتدبرون القرآن ام علٰی قلوب اقفالھا۔

کیا لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا پھر ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔ (۱۷)

تیسری بات: مترجم قرآن میں بریکٹ ( ) کے اندر جو لکھا جاتا ہے' ترجمہ کرنے والا اپنی طرف سے بڑھاتا ہے ۔ قرآن میں ایسے کوئی لفظ نہیں ہوتے۔

چوتھی بات: اگر قرآن کے معنی قرآن ہی سے سمجھ میں آجائیں تو تفاسیر وغیرہ سب بیکار ہیں۔

پانچویں بات: آیتوں کے شان نزول کے جھگڑے بھی عام طور سے بیکار ہیں کیوں کہ ہر فرقہ نے نشان نزول اپنے مطلب کے موافق گڑھ رکھی ہے ۔ آیت میں اصول جب کبھی ایسا ہوگا اس پر چسپاں ہوں گے۔ یہ بات بھی کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی کہ بے جوڑ آیتیں نازل ہوا کرتی تھیں۔ عام طور سے سورے نازل ہوتے تھے۔

یہ تھیں وہ اصولی باتیں جن سے نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ قرآن بالکل آسان چیز ہے اور اس کے لیے تفسیر کی ضرورت نہیں ہے ۔ مگر کیا یہ نتیجہ درست ہے ؟ اس کے لیے ایک ایک کرکے مذکورہ پہلوؤں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

قرن اول کے مسلمانوں کا عمل بالقرآن

کیا یہ سچ ہے کہ قرن اول کے مسلمانوں نے قرآن پر عمل کرکے انتہائی ترقی حاصل کی ؟

شخصیتوں سے مرعوب ہوئے بغیر دل کی لگتی کہئے ۔ قرآن کو سامنے رکھ کر بتایئے کہ قرآن میں کیا کہیں اس کا حکم ہے کہ تلوار لے کر آس پاس کے ممالک پر فوج کشی کرو اور لوگوں کو زبردستی اسلام لانے پر مجبور کرو ۔ اگر یہ سب عمل بالقرآن ہے تو غیر مسلمین کا یہ اعتراض بالکل درست ہو گا کہ اسلام خونریزی کا حامی ہے اور تلوار کے زور سے اپنی اشاعت کراتا ہے۔ کیا اپنے کسی دعویٰ کی حمایت کے لئے اسلام کے دامن کو داغ دار بنا دینا گوارا کیا جا سکتا ہے ؟

کیا قیصرو کسریٰ کے نظام حکومت کا رواج تعلیم قرآن کے مطابق تھا؟

کیا سرمایہ داری اور سرمایہ پرستی کا رواج جس کے خلاف جناب ابو ذرغفاری احتجاج کرنے اٹھے تھے عمل بالقرآن کا نتیجہ تھا؟

کیا دمشق اور بغداد کی جہانداریاں صاف ستھرے اور سادے اسلام اور تعلیم قرآن کے موافق تھیں؟

کیا عیش وعشرت کی گرم بازاریاں اور توبہ شکن حلقوں میں "مقدس" درباروں کی آتش آشامیاں قرآن کی رو سے بالکل مناسب تھیں؟

کیا جمل اور صفین کی میدان داریاں' خود مسلمانوں کے گلوں پر مسلمانوں کی شمشیر آزمائیاں اور آپس کی فتنہ سامانیاں تعلیم قرآن پر عمل کا مظاہرہ تھیں؟

حقیقتوں پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا ۔ الفاظ میں اتنی طاقت ہرگز نہیں کہ وہ انسانی حافظہ سے واقعات کی یاد فراموش کرسکیں۔

کیا کربلا کا تاریخی واقعہ کسی عبارت آرائی کے زور سے مٹ سکتا ہے؟ اور کیا جنگ حرہ اور مدینہ و مکہ کی تباہی کی شرمناک داستانیں فنا ہو جائیں گی؟

ممکن ہے کہ "خیر القرون" کو سراہنے والے مسلمان آج ناواقف غیر مسلموں کے سامنے پرانے زمانہ کے مسلمانوں کو قرآن کا جامہ پہنا دیں اور ان کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھالیں مگر تاریخ کی دوربین سے اس زمانہ کے حالات کا مطالعہ کرنے والے "گھر کے بھیدی" مسلمان بھی کیا اس فریب خیال کا شکار بن سکیں گے؟

بڑے نیک طینت ' بڑے پاک باطن ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

گنتی کے آدمیوں کو چھوڑ کر جن کی بدولت خواہ اس زمانہ کو "خیر القرون" کہہ لیجئے جہاں تک عام حالات کا تعلق ہے 'اتنی تاریکی نظر آرہی ہے کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کا "دور جہالت" اس کے سامنے مات ہے۔ صرف اس لیے کہ عام طور پر نہ مسلمانوں نے قرآن میں تدبر کیا' نہ قرآن کے معانی کی تشریح میں حقیقی رہنماؤں کا دامن تھاما' نہ ان عملی مثالوں پر نظر ڈالی جنھوں نے اپنی سیرت کو قرآنی تعلیمات کی تصویر بنا رکھا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ قرآن کو اپنی ناقص سمجھ' ذاتی خیالات اور نفسانی خواہشوں کا جولان گاہ بنالیا۔ اسی کا نتیجہ تھی مسلمانوں کی وہ ابتری' پراگندگی اور پریشانی جس کا خمیازہ آج تک بھگتنا پڑ رہا ہے۔

اب آج بھی مسلمانوں کو اس پردہ میں کہ "قرآن مشکل نہیں' آسان ہے۔" اسی کی تلقین کی جائے تو یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی۔ مگر یاد رکھیے کہ اس سے مسلمانوں کی حالت میں کوئی ترقی یا اصلاح نہیں ہوسکتی۔ بے شک اپنی من مانی باتوں کو ازروئے قرآن جاہلوں کے ذہن نشین کرنے میں آسانی ہوگی۔

وہ ناواقف بارہے کا سید جو عربی کے سر پیر سے واقف نہیں یہ سن کر خوش ہوجاتا ہے کہ قرآن میں میرے وطن کا نام بڑی مہربانی سے "برادر" کی لفظ کے ساتھ موجود ہے۔

"یومئذ تحدث اخ بارھا"

اس بیچارے کو کیا خبر کہ یہ "اخ" برادر کے معنی میں نہیں اور وہ "بارھا" شہر کا نام نہیں ہے بلکہ "اخبار" ایک لفظ ہے جو خبر کی جمع ہے اور وہ "ھا" کی طرف مضاف ہے جو مونث کی ضمیر ہے مگر یہ باتیں اس کے سامنے کہی جائیں تو وہ سمجھے گا عالموں کی الٹی سیدھی تاویل ہے اور لہک لہک کر بار بار علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھے گا۔

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر　　　تاویل سے قرآں کو بناسکتے ہیں پاژند

اس کے نزدیک جمع اور مضاف اور مونث کی ضمیر کی بحثیں اتنی دشوار ہیں کہ "پاژند" معلوم ہوتی ہیں اسے تو آسانی اسی میں معلوم ہوگی کہ وہ کہے "اخ بارھا" یعنی "بارہا" جو سادات کی بستی ہے اسے اللہ سبحانہ نے اپنے بھائی کے خطاب سے نوازا ہے۔

یا قرآن میں انگریزی زبان کی لفظ تلاش کرنے والا خوش ہوجائے' یہ آیت سن کر:

ولم یکن لہ کف - وا" احد"

وہ اسے یوں سمجھتا ہے کہ ولم یکن لہ کف one احد سمجھتا ہے کہ ون انگریزی کی لفظ ہے۔

اب اگر کسی بیچارے عالم کی شامت آئی اور اس نے کہا' یہ "ون" انگریزی کی لفظ نہیں ہے ۔ یہ تو کھنوکی لفظ کا جز ہے اور تنوین سے نون کا تلفظ پیدا ہوا ہے جو اعرابی حرکت ہے ۔ کوئی مستقل لفظ نہیں ہے تو وہ فوراً" کہے گا۔

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر تاویل سے قرآں کو بنا سکتے پاژند

اس کے نزدیک یہ عالمانہ تشریح' تاویل اور پاژند ہے اور سیدھی سادی بات قرآن سے نکلتی ہے وہ وہی کہ ون بمعنی انگریزی ہے اور اس کی تفسیر ہے لفظ "احد" اور اس طرح اس کے نزدیک ثابت ہوجاتاہے کہ قرآن خوداپنا مفسر ہے اور پھر کہتا ہے کہ قرآن کے معنی قرآن ہی سے سمجھ میں آجائیں تو تفاسیروغیرہ سب بے کار ہیں۔

بتایئے اس " ابو الہوسی " کا کیا علاج کیا جائے اور اب " شیوہ اہل نظر کی آبرو کہاں رہ سکتی ہے۔

یہ بھی دیکھ لیجئے کہ قرآن کے عجیب وغریب معنی اور تفسیریں جو لکھی گئیں' عجیب وغریب مسئلے جو گڑھے گئے' قرآنی آیتوں کو وہ معنی پہنائے گئے جو کسی صورت سے پیدا نہیں ہوسکتے تھے ۔ یہ سب اسی دور کی پیداوار ہیں جسے " قرن اول " کہا جاتا ہے اور جس کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے قرآن پر عمل کرکے انتہائی ترقیاں حاصل کیں۔

بعد کے مسلمان تو سب زلہ خوار ہیں انہی اگلے زمانہ کے مفسروں کے اور انہی کی تفسیروں میں سے کسی ایک کو لے کر اس پر اپنے استدلال کی عمارت کھڑی کرتے ہیں مگر وہ مفسرین جن کی تفسیروں نے عجیب وغریب معانی کی بنیاد رکھی اور عجیب وغریب مسائل کی داغ بیل ڈالی ۔ وہ وہی صدر اسلام کے مفسرین ہیں جیسے مجاہد 'ضحاک سدی 'کلبی 'مقاتل وغیرہ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے اقوال سے کتب تفاسیر بھرے پڑے ہیں۔

پھر یقین جانئے کہ عجیب وغریب معانی کی ایجاد اور تاویلوں کی تراش وخراش سب اسی اصول کے ماتحت تھی کہ قرآن آسان ہے اور ہر شخص اپنی سمجھ سے اس کے معنی بتا سکتا ہے یہی وہ خیال تھا جو جمہور اسلام میں عام طور پر پھیلایا گیا اور اسی کے ماتحت قرآن کی آیات بازیچہ اطفال بنا لی گئی۔

اس کے برخلاف اہل بیت رسول کا یہ اعلان تھا کہ قرآن کے معنی ہر شخص نہیں سمجھ سکتا ۔ اس کے لیے بڑی معلومات کی ضرورت ہے ان کا اعلان یہ تھا کہ قرآن فہمی آسان نہیں' بہت مشکل ہے اور اس کے لیے خاص رہنمایان دین کے ساتھ جن کو رسول ﷺ کی تشریحات براہ راست پہنچی ہیں' تمسک کی ضرورت ہے۔

جمہور اسلام نے آئمہ اہل بیتؑ کی اس تعلیم کو نہ پہلے کبھی مانا اور نہ بعد میں اب تسلیم کرتے ہیں ۔ پھر اس ترقی و تنزل کو جو جمہور مسلمین کے ساتھ متعلق ہے اسے عقیدہ سے کس طرح وابستہ کیا جاسکتا ہے؟

مسلمانوں نے کسی وقت انتہائی ترقی کی اور اب مسلمان دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل ہو گئے۔ یہ ممکن ہے بجائے خود حقیقت ہو مگر اس کا قرآن فہمی کے کسی نظریئے سے دور کا بھی رشتہ نہیں ہے۔ اس کا سبب اگر کچھ ہوسکتا ہے تو یہ کہ مسلمان شروع شروع میں اس سادہ اور مساویانہ نظام زندگی پر بر بنائے عادت چلتے رہے جس کو پیغمبر اسلام نے رائج کیا تھا اور فطرت کے اس پیغام کو لے کر آگے بڑھے جو دلوں پر قبضہ کرنے کی طاقت رکھتا تھا' اس لیے وہ فتوحات حاصل ہوئے جنھیں آج ان کی بہت ۔ بڑی ترقی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن یہی ترقی تنزلی کا پیش خیمہ بن گئی ۔ اس لئے کہ ان میں ملوکیت کا دور دورہ ہوگیا اور سلطنت وکامرانی نے عیش وعشرت کا عمل دخل کردیا ۔ کچھ دن تک دلوں پر بیٹھی ہوی دھاک نے قوموں کا سر اٹھنے نہ دیا لیکن جب ان کی عملی کمزوریاں طشت ازبام ہوئیں اور ان کے راز ہائے درون خلوت' افسانہ ہر انجمن بن گئے تو سرگرم عمل قوموں کی جرات بڑھی ۔ ان کی آپس کی رقابتوں اور داخلی کمزوریوں نے دشمن کی امداد کی اور آخر وہ ہوا جس کی بنا پر آج کہا جارہا ہے کہ مسلمان سب سے زیادہ ذلیل ہیں۔

اگر ان کی ترقی قرآن کے سچے اصول کو سمجھ کر انہی حدود وقواعد کے اندر ہوتی جو قرآن کے تعلیم کردہ ہیں تو وہ کبھی تنزلی سے تبدیل نہ ہوتی۔

وہ جماعت جو اقلیت میں تھی جس کے سرگروہ اہل بیت معصومین تھے ۔ انھوں نے قرآن کے بارے میں مطلق العنانی اور غیر مشروط آزاد روی کی اجازت نہیں دی بلکہ اس کے لیے حدود وقواعد مقرر کیے اور ان کے تحت میں تدبر فی القرآن سے کام لیا ان کے مختصر گروہ نے ہزاروں مادی شکنجوں کے اندر گرفتار رہ کر بڑے روحانی فتوحات کیے اور دنیا میں کوئی جماعت ایسی نہیں بتلائی جاسکتی جس نے اتنے مشکلات اور مصائب کے باوجود اس طرح اپنی ہستی کو برقرار رکھا ہو اور اپنے دائرہ میں توسیع جاری رکھی ہو' یہاں تک کہ اس وقت دنیا کے ہر گوشہ میں کچھ نہ کچھ افراد اس اصول مسلک اور طریقہ کے موجود ہیں۔

اسے چاہے کوئی ترقی سمجھے یا تنزل' بہرحال وہ ایک محدود اور معتدل سطح پر ہمیشہ رہے ۔ نہ دوڑ کر زیادہ چلے اور نہ گرے مگر رہے یہ ہمیشہ اسی راستے پر کہ قرآن فہمی کوئی آسان بات نہیں' مشکل

ہے اور اس لیے انھوں نے تنہا قرآن کو اپنی رہنمائی کے لیے کافی بھی نہیں سمجھا بلکہ اہل بیتؑ کے دامن سے تمسک ضروری خیال کیا۔

اب اگر ان میں روحانی حیثیت سے کچھ تنزل نظر آرہا ہو تو اس کا سبب یہ سمجھنا چاہیے کہ ان میں بھی اب ایسے لوگ پیدا ہونے لگے ہیں جو " ہمرنگ جماعت "بن کر یہ سمجھنے لگے ہیں ۔ قرآن کا سمجھنا آسان ہے اور ہر شخص بذات خود اس سے نتیجہ نکال سکتا ہے اور اس کے لیے کسی غیر کی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے ۔ دوستو یہ خیال ہماری قومی زندگی کے لیے راس نہیں ہے۔

یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ رسولؐ کی رحلت کے ڈیڑھ سو سال بعد تک اسلام میں کوئی فرقہ نہ تھا۔

غالباً اس ادعاء کے موقع پر پیش نظر ایران یا پنجاب اور حیدر آباد کے بابی' بہائی قادیانی' چکڑالوی اور مہدوی فرقے یا اپنے ہندوستان کے بریلوی اور دیوبندی فرقے ہیں جو انہی آخری دنوں کی پیداوار ہیں ورنہ جہاں تک اسلام کے ان فرقوں پر نظر ڈالی جاتی ہے جن کے عقائد کتابوں میں مدون ہیں اور جن کے اختلافی مسائل پر بحث سے علم کلام کی تشکیل ہوئی ہے ۔ وہ تمام فرقے رسول ﷺ کی رحلت کے ڈیڑھ سو برس کے اندر ہی پیدا ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ اگر صدر اسلام کے واقعات پر نظر ڈالیے تو ان سے بھی معلوم ہوگا کہ اس زمانہ میں بھی قرآن کی مختلف تاویلیں کی جاتی تھیں اور اس کے معانی میں اکثر دشواری محسوس کی جاتی تھی پھر بتائیے کہ کون سا وہ دور ہو سکتا ہے جب قرآن کے معانی ومطالب بالکل متفقہ حیثیت رکھتے تھے اور ان میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

بے شک قرآن کے مشکل ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ بالکل " چیستان " ہے یعنی اس سے کوئی کچھ سمجھ ہی نہیں سکتا۔

یقیناً اہل زبان اس کے ظاہری معانی سے بہرہ اندوز ہوئے اور اسی کا اثر تھا کہ مشرکین دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور انھوں نے اس کے غیر معمولی اعجاز کا اندازہ کیا مگر غیر عربی داں طبقہ کے لیے یہ بات بھی مفقود ہے ۔ ان کے لیے قرآن کو آسان کہہ دینے کے تو کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔

(۲) بلاغت کا مفہوم

کسی کتاب کی خوبی یہ ہے کہ وہ ایسی صاف اور سادہ زبان میں ہو کہ پڑھنے والا لکھنے والے کے مطلب کو سمجھ سکے۔

سوال یہ ہے کہ پڑھنے والا کون ؟ ہر پڑھنے والا خواہ وہ زبان داں ہو یا غیر زبان داں سمجھ دار ہو یا ناسمجھ ؟ حاضر الذہن ہو یا پریشان دماغ؟

اگر بلاغت کا معیار یہ ہے اور کسی کتاب کی خوبی یہی ہے تو عالم امکان میں کوئی کتاب بلکہ کسی متکلم کا ایک جملہ اس معیار پر ٹھیک نہیں اترتا۔

جب تک دنیا میں زبانیں مختلف ہیں' جب تک دل دماغ کی طاقتیں جداگانہ ہیں' جب تک سننے والوں کی کیفیتوں میں اختلاف ہے اس وقت تک تو یہ ناممکن ہے کہ کسی کلام سے ہر پڑھنے والا پورا فائدہ اٹھا سکے اس لیے کم از کم آپ کو قید تو لگانہ ہی پڑے گی کہ جس زبان میں وہ کلام ہے' اس زبان کے واقف کار اس کلام کو سمجھ سکیں اور اس قید کے لگانے کی وجہ سے ہی قرآن کی آسانی سے غیر عربی داں طبقہ کی محرومی ظاہر ہے۔

خود ایک زبان میں مختلف مقامات کے محاورں میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ ایک کلام سب کے لیے مساوی نہیں ہوسکتا مختلف شہروں کی زبان جدا' شہر اور دیہات کی زبان بالکل الگ الگ' بلند اور سفید پوش طبقہ اور بازاری لوگوں کی زبان علیحدہ اور مردوں'عورتوں کی زبان مختلف ہوتی ہے ۔ اس لیے زبان کے اکثر فقرے ایسے ہوں گے جو کسی کے لحاظ سے آسان اور کسی کے لحاظ سے مشکل ہوں۔ نتیجہ صاف ہے کہ سب کے لیے ان کی آسانی قائم نہیں رہ سکتی۔ اب میں نہیں سمجھ سکتا کہ بلاغت کے مذکورہ معیار پر کون سا وہ کلام ہوگا جو بلیغ کہا جا سکے؟

کہا جاسکتا ہے کہ بلیغ کلام وہ ہے جو مخصوص مخاطبین کے لحاظ سے جن کو براہ راست متوجہ کرکے وہ کلام کیا جارہا ہے ' دشوار گزار نہ ہو مگر اس صورت میں یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ہر شخص کے لیے آسان ہی ہوگا اور کسی کو اس کے سمجھنے کے لیے شرح اور تفسیر کی ضرورت نہ ہوگی۔

پھر قرآن کی اگر وہ حیثیت ہے جیسا کہ معترض نے کہا کہ وہ لیکچروں کا مجموعہ اور ان لیکچروں کے ضمن میں جو خاص سوالات ہوئے ہیں' ان کا جواب بھی ہے تو بالکل ظاہر ہے کہ لیکچر کے ماحول' حاضر الوقت اشخاص کے معیار فہم اور سائلین کی ذہنیت کا لحاظ ضروری ہے۔ یہی بلاغت کا حقیقی تقاضا ہے اس سے عمومی آسانی کا نتیجہ کہیں برآمد ہوسکتا ہے؟

اس پر بھی غور کر لیجئے کہ زبان میں زمانہ کے امتداد سے کتنے انقلابات ہو جاتے ہیں۔ قرآن کی تنزیل کو ساڑھے تیرہ سو برس ہوئے ہیں' غیر ممکن ہے کہ اس مدت میں تمام محاورات اپنی اصلی حالت پر باقی رہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے خالص عرب اہل زبان بھی قرآن کے معانی کو صرف اپنی

زبان دانی کے بھروسے پر نہیں سمجھ سکتے بلکہ انہیں بھی قدیم محاورات عرب کے تتبع' قدیم ذخیرہ ادب پر عبور اور آیات و احادیث کے مختلف استعمالات میں غور و خوض کی ضرورت ہے اور اس لحاظ سے قرآن ان کے لیے بھی بالکل آسان نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جہاں تک فصاحت اور بلاغت کا تعلق ہے وہ الفاظ کے لغوی معنی اور کلام کے عرفی مفاہیم ہوسکتے ہیں لیکن جو کسی خاص شعبہ کے اصطلاحات ہوتے ہیں وہ بہرحال اس شعبہ کے ماہرین کی تشریح پر موقوف ہوں گے۔

اس صورت میں کیوں کر کہا جاسکے گا کہ قرآن بالکل آسان ہے' اور ہر شخص اسے سمجھ سکتا ہے۔ پھر اب غور کیجئے کہ کلام کا مشکل ہونا جو بلاغت کے خلاف ہے اور جس کے لحاظ سے کلام آسان ہونا چاہئے وہ کیا ہے؟

اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ کلام میں عام اصول محاورہ کے خلاف کوئی ایسا الجھاؤ ہو جس کی وجہ سے اصول محاورہ سے واقف اہل زبان اس کے معنی کو نہ سمجھ سکیں' خواہ وہ الجھاؤ ترکیب نحوی کے لحاظ سے ہو۔ اس کو اصطلاحاً" تعقید لفظی کہتے ہیں یا بعید از ذہن استعمارات و کنایات کے استعمال سے ہو اس کو تعقید معنوی کہتے ہیں یا الفاظ ایسے صرف کیے گئے ہوں جن کے اس مفہوم کے لیے جو متکلم نے مراد لیا ہے۔ عام طور پر فصحائے اہل زبان کچھ دوسرے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور ان الفاظ سے وہ واقف نہیں ہیں اس کو "غرابت" کہتے ہیں۔

لیکن اگر کلام بجائے خود اصول محاورہ کے مطابق ہے اور انہی الفاظ پر مشتمل ہے جو اس کے دور ورود میں فصحاء کی زبانوں پر چڑھے ہوئے تھے مگر اب ہمارے لیے مشکل ہے اس وجہ سے کہ ہم اس زبان سے' اس دور کی زبان کے خصوصیات سے ناواقف ہوگئے ہیں تو اس طرح مشکل ہونا ہرگز کلام کا عیب نہ ہوگا بلکہ ہمارا نقص ہوگا کہ ہم اس کے سمجھنے کے لائق نہیں ہیں۔

اس کے بعد یہ دیکھیے' ایک ہوتے ہیں کلام کے لفظی معنی' یہ تو ایک کلام سے جو کہ سلیس زبان میں ہے ہر زبان داں جو ان محاورات سے واقف ہو سمجھ لے گا اور اگر نہ سمجھے تو خیر مان لیجئے کہ کلام کا نقص ہے لیکن ایک ہوتے ہیں وہ مطلب جو لفظی معانی کی تہوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں جن کا نتیجہ یہ ہے کہ جتنا غور کیا جائے اتنے نتائج اور حقائق کلام سے زیادہ منکشف ہوتے جائیں۔ یہ وہ چیز ہے جو متکلم کی بلندی اور قابلیت کے لحاظ سے گہری ہوتی چلی جاتی ہے اور کلام کے اس حیثیت سے سمجھنے کے لحاظ سے انسانی جماعت کا مجمع اتنا ہی چھٹتا جاتا ہے جتنے بلند متکلم کا وہ کلام ہے۔

اب اگر یہ صحیح ہے کہ قرآن ایک غیر معمولی درجہ کا کلام ہے تو ضرور اس میں یہ بلندی موجود ہوگی اور یقیناً" انسانی دماغ کی ایک بلند سطح ہی وہ ہوگی جو اس کے معانی و نکات کا اچھی طرح ادراک کرسکے۔

اگر اس میں یہ بات نہیں ہے اور وہ بالکل ہی سطحی باتوں پر مشتمل ہے جن کو ہر معمولی انسان پوری طرح سمجھ لیتا ہے اور اس کے آگے اس میں کچھ نہیں ہے تو یہ آسانی یقیناً" اس کا نقص ہے۔

(۳) قرآن سے ثبوت

اب خود قرآن سے پوچھئے کہ وہ کیا کہتا ہے؟ اپنے کو آسان بتاتا ہے یا مشکل؟ اس کے لیے ذیل کی آیات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ متعدد آیات میں رسول" کے فرائض میں تلاوت آیات کے ساتھ تعلیم کتاب کو قرار دیا گیا ہے' ملاحظہ ہو۔

ربنا وابعث فیهم رسولا منهم یتلوا علیهم ایاتک یعلمهم الکتاب و الحکمة

پروردگارا! ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات سنائے' اس کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ (۱۸)

یتلو علیکم ایاتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتاب والحکمة

ہماری آیات تمہارے لئے تلاوت کرے اور تمہاری پرورش و تربیت کرے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ (۱۹)

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلو علیهم ایاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة

وہ' وہ ہے جس نے امیین میں سے رسول مبعوث کیا جو انہی میں سے ہے وہ ان پر قرآن کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (۲۰)

ان آیات سے ظاہر ہے کہ رسول کا کام تھا آیات کتاب کو پڑھ کر سنانا (یہ کام الفاظ سے متعلق ہے) اور اس کتاب کی تعلیم دینا (یہ معانی سے متعلق ہے) اگر قرآن آسان ہوتا' اس طرح کہ ہر شخص اس سے خود ہی سب کچھ سمجھ لیتا تو تعلیم کی ضرورت نہ تھی۔

هوالذی انزل علیک الکٰتب منه ایات محکمات هن ام الکٰتب و اخر

متشابهات ، فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله ، وما یعلم تاویله الا اللّٰه والراسخون فی العلم یقولون امنا به کل من عند ربنا و ما یذکر الا اولوالالباب ○ (۲۱)

اس نے آپ ﷺ پر کتاب اتاری جس میں کچھ تو کھلی ہوئی آیتیں ہیں جو "ام الکتاب" ہیں اور کچھ "متشابہ" آیتیں ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ پیروی کرتے ہیں ان ہی اجزاء کی جو متشابہ ہیں فتنہ پردازی اور تاویل سازی کے لئے' حالانکہ نہیں جانتا اس کی تاویل کو مگر خدا اور "**راسخین فی العلم**"۔ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں سب ہمارے پروردگار کی جانب سے ہے اور نہیں اس سے اثر لیتے مگر وہ لوگ جو سمجھدار ہوں۔

اب آپ دیکھیے کہ قرآن خود بتلا رہا ہے کہ اس میں دو قسم کی آیتیں ہیں' کچھ آسان اور کچھ مشکل اور یہ کہ مشکل آیتوں کی اصلی تاویل سب نہیں جانتے بلکہ اس کے جاننے والے مخصوص ہیں۔ میں نے ترجمہ میں "ام الکتاب" اور "متشابہ" کی اصلی لفظوں کو اس لئے لکھ دیا کہ قرآن کو آسان کہنے والے خود ہی ان کے معنی سمجھ لیں۔ تفسیر کی کیا ضرورت؟

کتاب انزلناه الیک مبارک لیدبروا ایاته و لیتذکر اولوالالباب

یہ وہ کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے۔ بابرکت تاکہ یہ لوگ اس کے آیات میں غور کریں اور تاکہ صاحبان عقل اس سے اثر قبول کریں۔ (۲۲)

جو شے بالکل کھلی ہوئی اور آسان ہو' اس کے لئے غور کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نیز صاحبان عقل و فہم سے مخصوص کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بالکل سطحی مطالب پر مشتمل نہیں ہے۔

افلا یتدبرون القران ام علیٰ قلوب اقفالها

تو وہ کیا قرآن میں غور نہیں کرتے؟ کیا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ (۲۳)

اس آیت میں لوگوں کا شکوہ کیا گیا ہے اگر قرآن بالکل سطحی ہوتا تو غور و خوض کی ضرورت نہ ہوتی۔

ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان له قلب اوا لقی السمع وهو شهید

اس میں یاد دہانی ہے اس کے لئے جو دل و دماغ رکھتا ہو یا کان لگائے اس حالت میں کہ حاضر الذہن ہو۔ (۲۴)

جو چیز بالکل سطحی اور آسان ہوتی ہے اس کے لئے ان شروط کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص

خود ہی آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔

اب جو آیتیں بتلائیں کہ قرآن آسان ہے' ان کے معنی وہی سمجھنا چاہیں جو ہم نے "بلاغت" کی بحث میں اس کے پہلے لکھے ہیں یعنی اس کلام میں عام اصول محاورہ کے خلاف کوئی ایسا الجھاؤ نہیں ہے جس کی وجہ سے اصول محاورہ سے واقف اہل زبان اس کا مطلب نہ سمجھ سکیں اور یہ کہ اس کی زبان آسان ہے نہ یہ کہ اس کے مطالب بالکل سطحی ہیں جن کو ہر شخص بغیر کسی غور و تامل یا تعلیم و تعلم کے سمجھ سکتا ہے۔ اب ان آیات پر نگاہ ڈال لیجئے۔ کچھ وہ آیتیں ہیں جن میں قرآن کے (مفصل) ہونے کا ذکر کیا گیا ہے مگر اس کی تفصیل میں خود قید موجود ہے۔ لقوم یعلمونملاحظہ ہو آیت

حم ○ تنزیل من الرحمٰن الرحیم ٥ کتٰب فصلت ایاته قرانا" عربیا لقوم یعلمون

حم۔ یہ (کتاب) ہے جو خداوند رحمٰن و رحیم کی جانب سے نازل ہوتی ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات جدا جدا (واضح) کر دی گئیں۔ قرآن عربی زبان میں ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں۔ (۲۵)

دوسری آیت

و نفصل الایت لقوم یعلمون ٥

اور ہم اپنی آیات کی تشریح ایسے لوگوں کے لئے کرتے ہیں جو جانتے ہیں۔ (۲۶)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کا مفصل ہونا ہر شخص اور ہر جماعت کے لحاظ سے نہیں ہے پھر ان آیات سے یہ نتیجہ کیوں کر نکالا جا سکتا ہے کہ قرآن ہر شخص کے لئے آسان ہے اور اہل علم کی تشریح و تفسیر کی ضرورت نہیں ہے۔

کچھ وہ آیات ہیں جن میں قرآن کی زبان کو "مبین" کے لفظ سے یاد کیا ہے مگر ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے' وہ خود قرآن کو آسان کہنے والے کی زبان سے سن لیجئے۔

قرآن عربی زبان میں اس قوم کے لئے جو عربی جانتی تھیں یعنی جس کی مادری زبان عربی تھی' کھول کر بیان کر دیا گیا ہے اور ایسی زبان میں قرآن نہیں جس کو عرب نہ سمجھ سکتے تھے۔

اب بتایئے کہ اس آسانی سے غیر عربی داں طبقہ کو بلکہ ان کو جن کی مادری زبان عربی نہیں ہے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ وہ بہرحال اہل زبان کی تشریح و تفصیل کے محتاج ہوں گے اور تفسیر کی ضرورت باقی رہے گی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جو ایک زبان میں زیادہ آسان ہو گا' وہی دوسری زبان میں زیادہ مشکل ثابت ہو گا۔

بات یہ ہے کہ زبان کی آسانی روز مرہ کے محاورات کے استعمال سے پیدا ہوتی ہے اور محاورے ہی وہ ہوتے ہیں جن کا ترجمہ بعض اوقات مشکل اور بسا اوقات غیر ممکن ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر اپنی زبان میں مشکل عبارت ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس میں استعارے کنائے صرف ہوئے ہیں یا دقیق مطالب ہیں اور یہ دونوں چیزیں وہ ہیں جو دوسری زبان میں منتقل ہو سکتی ہیں۔

پھر اگر قرآن کو عربی زبان والوں کے لئے آسان کہا بھی گیا ہے تو اس سے یہ نتیجہ کیوں کر نکل سکتا ہے کہ وہ سب کے لئے آسان ہے اور مطلب تو یہی تھا کہ ہمارے اردو دان طبقہ کو آسانی پیدا ہو اور انہیں علماء سے دریافت کرنے اور تفسیر و تشریح کی جستجو کی ضرورت نہ ہو مگر یہ مطلب قرآن کی آیتوں سے کسی طرح نہیں نکلتا۔

قرآن کا مطالعہ

ہم خود قرآن کو پڑھیں اور دیکھیں کہ سمجھ میں آتا ہے یا نہیں۔ مجھے نہیں معلوم قرآن کو پڑھ کر دیکھنے کا کیا مطلب ہے؟ اصل الفاظ قرآن کو دیکھ کر؟ تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں سمجھنا عربی دانی پر موقوف ہے اور غیر عربی دان ہرگز نہیں سمجھیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ترجمہ کو پڑھ کر؟ بظاہر مطلب یہی معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس کے ثبوت میں بہت سا وقت قرآن کی آیتوں کے ترجمے پیش کرنے پر صرف کیا گیا ہے۔ مگر یاد رکھئے کہ یہ ترجمے سب عربی دان لوگوں کے کئے ہوئے ہیں۔ اگر یہ سمجھ میں آ جاتے ہیں تو اس سے یہ ثابت ہو گا کہ یہ ترجمے آسان ہیں لیکن یہ نہیں ثابت ہو گا کہ قرآن بالکل آسان ہے۔

آسان ہونے کے ثبوت میں اپنی سمجھ کا مظاہرہ اس طرح کرنا کہ قرآن کے معنی لیکچر کے ہیں۔ (حالانکہ یہی غلط ہے۔ قرآن کے لفظی معنی "لیکچر" کے نہیں بلکہ "ریڈنگ" کے ہیں۔) اور ان لیکچروں کا موضوع یہ ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو' قیامت پر ایمان لاؤ وغیرہ' یہ سب باتیں بالکل آسان ہیں لہٰذا قرآن آسان ہے۔ میرے خیال میں اگر آسان ہونے کا یہی معیار ہے کہ اس طرح کا ایک خلاصہ آدمی سمجھ لے تو دنیا کی کوئی کتاب مشکل نہیں ہے۔ بڑی سے بڑی فلسفہ کی دقیق کتاب آسان ثابت کی جا سکتی ہے۔ یہ کہہ کر کہ اس کا موضوع یہ ہے کہ کائنات کی حقیقت کیا ہے اور کن باتوں کے کیا اسباب ہیں اور منطق کی کتاب اس کا موضوع یہ ہے کہ کن طریقوں سے نامعلوم باتیں معلوم کی جائیں

وغیرہ وغیرہ۔ مگر کوئی کتاب جو مشکل ہوتی ہے وہ اپنے جزئیات اور خصوصی مطالب کے لحاظ سے ہوتی ہے جو اس عام موضوع کے تحت میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس لئے قرآن کو بھی اس مجمل خلاصہ کے اعتبار سے نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ اس کے تفصیلی مضامین کے لحاظ سے دیکھئے تب آسان اور مشکل ہونے کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ قرآن کی آسانی کے ثبوت میں بہت سی آیتوں کے تراجم پیش کئے گئے ہیں مگر یاد رکھیے کہ تراجم سب تفسیر کے ماتحت ہیں یعنی جس قسم کی تفسیر کو مترجم نے قبول کیا ہے اس کے مطابق آیت کا ترجمہ کیا ہے۔ ان تراجم سے مدد لینا حقیقتاً" تفاسیر کا پابند بننا ہے۔ پھر تفسیر سے بے نیازی کا دعوی کیوں کر قبول ہو سکتا ہے۔

ترجمے صرف تحت اللفظی معنی پر مشتمل نہیں ہوا کرتے ورنہ بعض اوقات شاید ان سے کچھ بھی مطلب سمجھ نہ آئے بلکہ بریکٹ میں توضیحی الفاظ یا محذوفات کی خانہ پری کے لئے ضمیمے درج کئے جاتے ہیں۔ ان کا اقرار خود سابقہ دلائل کے ذیل میں موجود ہے کہ "مترجم قرآن میں بریکٹ ( ) کے اندر جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ ترجمہ کرنے والا اپنی طرف سے بڑھاتا ہے۔ قرآن میں ایسے کوئی لفظ نہیں ہوتے"

اس طرح کے ترجموں کو حقیقتاً" ایک مختصر تفسیر سمجھنا چاہیے پھر ان ترجموں کی مدد سے اگر قرآن آسان ہو گیا تو اس سے یہ نتیجہ کیوں کر نکلے گا کہ وہ بغیر تفسیر کی مدد کے خود آسان ہے۔ بے شک اگر قرآن کے معنی قرآن ہی سے سمجھ میں آ جائیں تو تفاسیر وغیرہ سب بیکار ہیں' مگر یہ اس وقت ہے جب کوئی شخص تنہا الفاظ قرآن سے معنی سمجھ لے لیکن اگر اس نے مترجمین کی تفسیروں سے مدد لے کر معنی سمجھے تو تفاسیر بے کار کہاں ثابت ہوئیں؟ شان نزول کو بے کار سمجھنا یہ کہہ کر کہ "عام طور سے اصول بیان کئے جاتے ہیں اور اصول شان نزول کے پابند نہیں ہوتے' بالکل غلط ہے' اکثر آیتیں بنیادی حیثیت سے شان نزول ہی سے مخصوص ہیں۔ مثلاً" قرآن میں کہا گیا۔

الیوم اکملت لکم دینکم....

آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کیا۔ (۲۷)

اب جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ آیت کس دن اتری؟ "آج" سے کیا مطلب سمجھا جائے؟ یا یہ آیت کہ:

انما ولیکم اللّٰہ و رسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلٰوۃ و یوتون الزکوۃ و ھم راکعون۔

تمھارا ولی تو صرف اللہ ہے اور اس کا رسول' اور وہ جو ایمان لائے اور نماز قائم کی اور حالت رکوع میں زکواۃ دی۔ (۲۸)

اگر خصوصیت واقعہ کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ عام اصول کہاں ہے کہ جو حالت رکوع میں زکوٰۃ دے۔ اس کے واسطے ولایت ضرور ثابت ہو یا یہ آیت:

علم اللّٰہ انکم کنتم تختالون انفسکم فتاب علیکم و عفا عنکم

خدا کے علم میں تھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے (اور اس ممنوع کام کو تم میں سے کچھ لوگ' انجام دیتے تھے) پس خدا نے تمہاری توبہ قبول کر لی اور تمہیں بخش دیا۔ (۲۹)

آخر کس اصول کی حامل ہے؟ یہ کہنا کہ "عام طور پر سورے نازل ہوتے تھے' متفرق آیتیں نہیں اترتی تھیں' حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ چھوٹے سورے تو خیر' اکثر ایک ساتھ اترے ہوئے بھی ہیں مگر جو بڑے سورے ہیں ان میں خود آیات کا مضمون صاف بتلاتا ہے کہ وہ مختلف موقعوں پر اتری ہوئی ہیں۔ اگر سورے ایک ساتھ نازل شدہ ہوتے تو آیتوں میں ناسخ و منسوخ آیت ایک ہی سورہ میں موجود نہ ملتی' خصوصاً" اس طرح کہ ناسخ پہلے اور منسوخ بعد کو۔ نیز مکی اور مدنی آیتیں مخلوط نہ ہوتیں۔ حالانکہ موجودہ ترتیب قرآن میں یہ سب کچھ باتیں ہیں۔ اب مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ قرآن مشکل ہے یا آسان

☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱) البقرہ' ۲ ۲) البقرہ' ۱۸۵
۳) یونس' ۵۷ ۴) آل عمران' ۳۱
۵) الاحزاب' ۲۱
۶) صحیح مسلم کتاب فضائل علی ابن ابی طالب سنن ترمذی ج۲ ص ۳۰۷۔ سنن دارمی ج۲ ص ۴۳۲۔ سند احمد بن حنبل' ج ۳ ص ۱۴ ۔ ۵ ۔ مستدرک الحاکم ج ۳ ص ۱۰۹
۷) شرح السنۃ
۸) عبدالکریم بن محمد سمعانی' ادب الاملاء والاستملاء مطبع بریل ۔عدن' ۱۹۵۲ ص ۳'۴
۹) ن مصدر ۱۰) ملا محمد عبدالصمد پشاوری' طلب الادب ص ۳۹
۱۱) یاد حسین از ابوالکلام آزاد' داستان کربلا مطبع حیدر آباد دکن ص ۲۴۲

۱۲) الاعراف ۵۲ ۱۳) فصلت، ۴

۱۴) فصلت ۴۴ ۱۵) القمر ۱۷

۱۶) ق، ۳۷ ۱۷) محمد ۲۴

۱۸) بقرہ، ۱۵۱ ۱۹) آل عمران، ۱۶۴

۲۰) الجمعہ، ۲ ۲۱) آل عمران، ۷

۲۲) ص ۲۹ ۲۳) محمد، ۲۴

۲۴) ق، ۳۷ ۲۵) فصلت ۱، ۳

۲۶) التوبہ، ۱۱۲ ۲۷) المائدہ، ۳

۲۸) المائدہ ۵۵ ۲۹) بقرہ ۱۸۷

ناسخ و منسوخ

پروفیسر احمد سعید
گورنمنٹ گریجویٹ کالج ایبٹ آباد

علوم قرآن میں ایک اہم، بڑی پہلو دار اور طویل الذیل بحث ناسخ و منسوخ کی ہے، مگر یہاں جائے تمام تفصیلات بیان کرنے کے اس ضمن میں بنیادی اور ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

معنی و مفہوم

نسخ کے لغوی معنی ہیں زائل کرنا، دور کرنا، مٹانا، تبدیل کرنا، تحویل وانتقال(۱)

اس مفہوم کی تائید قرآن کریم کی ان آیات کریمہ سے ہوتی ہے :

(۱) فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ (۲)

(۲) وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةٍ مَّكَانَ اٰيَةٍ (۳)

(۳) نسخ بمعنی تحویل : مثلاً ناسخ مواریث یعنی میراث کو ایک شخص سے دوسرے کی طرف منتقل کرنا (۴)

(۴) نسخ بمعنی نقل : یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا، عربی میں نسخت الکتاب جب ہی کہا جاتا ہے جب کوئی نقل کرنے والا وہی الفاظ اسی تحریر میں لکھ رہا ہو (۵) ارشاد باری تعالیٰ ہے :

اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

جو تم کرتے تھے ہم ان کو لکھتے جاتے تھے۔(۶)

اس بات کی وضاحت میں الزرکشی لکھتے ہیں : اور قرآن لوح محفوظ یا اس پوشیدہ کتاب میں درج ہونے کی وجہ سے ناپاک ہاتھوں کے چھونے سے محفوظ رہا جس سے نقل کر کے آپؐ پر قسط وار نازل کیا گیا۔ (۷)

صحیح و جامع اصطلاحی مفہوم

لغت عرب اور شرعی نصوص کی روشنی میں نسخ کی صحیح اصطلاحی تعریف کچھ یوں ہے :"رفع الحکم الشرعی بدلیل الشرعی "کسی شرعی دلیل کی بناء پر کسی دینی حکم کے اٹھ جانے کو نسخ کہتے ہیں۔ (۸)

اسی طرح شرعی نصوص کے پیش نظر یہ بالکل جائز ہے کہ قوی اور صریح دلائل کے پیش نظر خاص حالات میں کسی حکمت و مصلحت کی بناپر کوئی شرعی حکم اٹھ جائے اور باقی نہ رہے اس عمل کا نام نسخ ہے اس طرح سے جو پرانا حکم ختم کیا جاتا ہے اسے "منسوخ" اور جو نیا حکم آتا ہے اسے "ناسخ" کہتے ہیں۔

تغیّر الزمان

نسخ کا مطلب رائے کی تبدیلی نہیں ہوتا (۹) بلکہ ہر زمانے میں اس دور کے مناسب احکام دینا ہوتا ہے "منسوخ" کو غلط قرار دینا "ناسخ" کا کام نہیں بلکہ اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ پہلے حکم کی مدت متعین کر دے اور بتادے کہ پہلا حکم جتنی مدت تک نافذ رہا اس زمانے کے اعتبار سے تو وہی مناسب تھا لیکن اب حالات کی تبدیلی کی وجہ سے ایک نئے حکم کی ضرورت ہے تو سلیم طبائع معمولی غور و فکر کے بعد اس تبدیلی کو حکمت الہیہ کے عین مطابق تصور کریں گی' حاذق و ماہر حکیم وہ ہوتا ہے جو مریض کی صحت کے بدلتے ہوئے احوال کے پیش نظر برائے شفا نسخہ میں مناسب ردوبدل کرتا رہے۔ اس سے خداوند حکیم و علیم و خبیر کی رائے میں کوئی تبدیلی لازم نہیں آتی کہ اسے بداء (۱۰) قرار دے کر عیب سمجھا جائے۔

متقدمین و متاخرین کی اصطلاحات کا فرق

نسخ کے استعمال کے بارے میں متقدمین اور متاخرین علماء کے درمیان اصطلاح کا ایک فرق رہا ہے۔

متقدمین کی اصطلاح

جمہور متقدمین علماء کی اصطلاح میں "نسخ" وسیع مفہوم کا حامل تھا اور اس میں کتاب اللہ میں "نسخ" کی وہ بہت سی صورتیں داخل تھیں جو بعد کے علماء کی اصطلاح میں نسخ نہ کہلائیں مثلاً متقدمین کے نزدیک عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید وغیرہ بھی نسخ کے مفہوم میں داخل تھیں چنانچہ اگر ایک آیت کے الفاظ عام ہیں اور دوسری میں انہیں کسی خاص صورت کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے تو متقدمین علماء پہلی کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دیتے تھے جس کا مطلب یہ نہیں ہوتا تھا کہ پہلا حکم بالکلیہ ختم ہو گیا بلکہ یہ مقصد ہوتا کہ پہلی آیت سے جو عموم سمجھ میں آتا تھا دوسری آیت نے اس کو ختم کر دیا مثلاً قرآن کریم میں ارشاد ہے :

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ

اور مشرک عورتوں کے ساتھ ان کے ایمان نہ لانے تک نکاح نہ کرو۔ (۱۱)

آیت کا عموم یہی ظاہر کر رہا ہے کہ تمام مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہے خواہ بت پرست ہوں یا اہل کتاب۔ ایک دوسری جگہ فرمایا:

وَ الْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اور اہل کتاب کی پاک دامن عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ (۱۲)

مولانا تقی عثمانی کہتے ہیں:

"اس مقام پر یہ بات واضح ہو گئی کہ سابقہ آیت میں مشرک عورتوں سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اہل کتاب نہ ہوں لہٰذا اس آیت نے پہلی آیت کے عموم میں تخصیص پیدا کر دی ہے اور بتایا کہ ان الفاظ سے مراد مخصوص قسم کی مشرک عورتیں ہیں نہ کہ اہل کتاب کی۔ متقدمین اس کو "نسخ" کہتے ہیں" (۱۳)

مولانا موصوف آگے فرماتے ہیں: اور متاخرین علماء صرف اس صورت کو نسخ سے تعبیر کرتے ہیں جس میں سابقہ حکم بالکل کالعدم قرار دیا گیا ہو محض عام میں تخصیص اور مطلق میں تقیید پیدا ہو جانے کو وہ "نسخ" نہیں کہتے۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ اس میں نسخ نہیں ہوا کیوں کہ اصل حکم (مشرکات سے نکاح کی ممانعت) بدستور باقی ہے البتہ دوسری آیت نے یہ وضاحت کر دی کہ پہلی آیت کا مفہوم اتنا واضح نہیں تھا کہ اس میں اہل کتاب عورتیں بھی داخل ہو جائیں بلکہ وہ تو فقط غیر اہل کتاب کے ساتھ مخصوص تھی۔ (۱۴)

اصطلاح کے اس فرق کی وجہ سے متقدمین کے نزدیک قرآن کریم میں منسوخ آیات کی تعداد بہت زیادہ تھی اس ضمن میں انہوں نے اس قدر مبالغہ سے کام لیا ہے کہ معمولی فرق کی وجہ سے ایک آیت کو منسوخ اور دوسری آیت کو ناسخ قرار دینے لگے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان حضرات نے نسخ، بداء و انساء (۱۵) اور نسخ احکام و نسخ اخبار کو باہم ملا دیا۔

بایں طور قائلین نسخ کی مبالغہ آمیزی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ انہوں نے آیت کو کئی ٹکڑوں میں بانٹ کر ایک حصہ کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ قرار دیا۔ جیسے ملاحظہ ہو یہ آیت قرآنی ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ

اے ایمان والو! اپنی (اصلاح کی) فکر کرو جب تم راہ پر چل رہے تو جو شخص گمراہ ہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں (۱۶)

آخری حصہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی دعوت ہے بخلاف آیۃ کے ابتدائی حصہ کے جو صرف اپنی ذات کی اصلاح کے حکم پر مشتمل ہے لہٰذا بقول ابن عربی آیت کا آخری حصہ اولین کا ناسخ ہے۔ (۱۷)

اس پر طرہ یہ کہ ابن عربی کی رائے میں آیت کریمہ:

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (۱۸)

کا پہلا اور آخری حصہ منسوخ مگر درمیانی جزو محکم ہے۔ (۱۹)

قرآن میں نسخ ہوا ہے یا نہیں ؟

نہ صرف امت محمدیہ میں بہت سے احکام منسوخ ہوئے بلکہ احکام شرعیہ کے نسخ کا سلسلہ گذشتہ امتوں کے وقت سے جاری رہا ہے البتہ اس بارے میں آراء مختلف ہیں کہ قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت اب بھی موجود ہے جس کا حکم منسوخ ہوا ہو اور تلاوت اب بھی جاری ہو اس سلسلے میں دو نقطہ ہائے نظر ہیں۔

(۱) معتزلہ (۲) جمہور اہل سنت

معتزلہ

معتزلہ میں سے ابو مسلم اصفہانی اور ان کے ہم نواؤں کا کہنا ہے کہ قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی بلکہ تمام آیات اب بھی واجب العمل ہیں جن آیات میں نسخ معلوم ہوتا ہے یہ لوگ اصول تفسیر کے خلاف کھینچ تان کر ان کی ایسی تاویل و تشریح پیش کرتے ہیں کہ جس سے نسخ تسلیم ہی نہ کرنا پڑے دراصل ان کے نزدیک ''نسخ'' ایک عیب ہے جس سے قرآن کو پاک ہونا چاہیے۔ ابو مسلم اصفہانی اور ان کے متبعین عموماً یہود و نصاریٰ کی طرح اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے احکام میں نسخ ہوا ہے بلکہ وہ فقط قرآن میں عدم نسخ کے قائل ہیں اب اگر ''نسخ'' ان احکامِ خداوندی میں عیب نہیں ہے جو قرآن کے علاوہ ہیں تو قرآنی احکام میں عیب کیوں کر قرار دے دیا گیا؟ اس دعویٰ کی دلیل یہاں یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ بات الٰہی حکمت کے خلاف نہیں ہوتی ہے کہ قرآن میں کوئی آیت محض تبرکاً تلاوت کے لئے باقی رہ جائے اور اس پر عمل کا سلسلہ ختم کر دیا ہو۔ (۲۰)

منسوخ آیات کے باقی رہنے کی حکمت اور مصلحت

نہ جانے کس بناء پر اس بات کو الٰہی حکمت کے خلاف قرار دیا گیا ہے حالانکہ منسوخ الحکم آیات کے باقی رہنے میں کئی مصلحتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً

(۱) اس سے احکام شرعیہ میں تدریج کی حکمت واضح ہوتی ہے کہ جوں جوں نئے نئے واقعات و احوال پیش آتے رہتے ان کے بارے میں وحی کے ذریعہ سے آپؐ کو مطلع اور لوگوں کو اس حقیقت سے روشناس کرایا کہ تاخیر میں جب نظم و ربط پایا جاتا ہو تو وہ اس عجلت پسندی سے بہتر ہے جس میں انتشار اور انارکی کا ثبوت دیا گیا ہو۔ (۲۱)

(۲) اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے احکام کا پابند بنانے میں کس حکیمانہ طریقے سے کام لیا؟

(۳) اس سے شرعی احکام کی تاریخ کا علم ہوتا ہے' اور یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر کب اور کیا حکم نافذ کیا گیا؟ خود قرآن میں کئی مقامات پر گذشتہ امتوں کے ان احکام کا تذکرہ موجود ہے جو امت محمدیہ میں منسوخ ہو

گئے۔ ارشاد ہوا:

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَا اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَا اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ

اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بکری کے اجزاء میں سے ان دونوں کی چربیاں اُن پر ہم نے حرام کر دی تھیں مگر وہ جوان کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہو اُن کی شرارت کے باعث ہم نے ان کو یہ سزا دی تھی اور ہم یقیناً سچے ہیں۔ (۲۲)

اس منسوخ الحکم آیت کا ذکر محض عبرت و موعظت حاصل کرنے کے لیے کیا گیا' تو اگر قرآن میں ایسی بعض منسوخ الحکم آیات کی تلاوت ان مقاصد کے لئے باقی رکھی گئی ہوں تو ایسی کونسی بات حکمت الٰہیہ کے خلاف ہے' نیز کوئی یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ اسے اللہ تعالی حکیم و خبیر کے ہر ہر کام کی حکمت کا علم ہے یا وہ یہ جانتا ہے کہ قرآن کی ہر آیت کے نازل کرنے میں کیا کیا حکمتیں ہیں تو پھر اللہ تعالی کے کسی کام سے محض اس بناء پر کیسے انکار کیا جا سکتا ہے کہ اس کی حکمت ہمیں معلوم نہیں ہو سکی جب کہ اس امر کا وقوع شرعی دلائل سے ثابت ہو چکا ہو (۲۳) لہٰذا معلوم ہوا کہ "نسخ" کوئی عیب نہیں بلکہ بعض کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ سلم پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپؐ اپنے متبعین کو ایک بات کا حکم دیتے ہیں اور پھر اس سے منع کر دیتے ہیں اور کوئی اور حکم لے آتے ہیں اس اعتراض کے جواب میں حسب ذیل آیت نازل ہوئی۔ (۲۴)

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

جس آیت کو بھی ہم منسوخ کر دیں گے یا بھلا دیں گے اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آئیں گے کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (۲۵)

اس آیت کے مضمون نے خوب واضح کر دیا کہ قرآن کریم میں سلسلۂ "نسخ" خود اس کی تصریح کے مطابق ہے نیز یہاں اس کی حکمت بھی بیان کی گئی ہے "نسخ" کا انکار نہیں کیا گیا ہے۔

قرآن میں منسوخ آیات

جیسا کہ پہلے معلوم ہوا کہ متقدمین علماء میں سے قائلین "نسخ" کی اصطلاح میں "نسخ" کا مفہوم بہت وسیع تھا اس لئے انہوں نے آیاتِ منسوخہ کی تعداد بہت زیادہ بتائی۔ حق بات یہ ہے کہ قرآنی آیات میں بنیادی اصول عدم نسخ ہے

"نسخ" نہیں ہے البتہ جب صریح دلیل سے کسی آیت کا منسوخ ہونا ثابت ہو جائے تو اسے لامحالہ منسوخ تسلیم کیا جائے گا علوم قرآنی کے محقق علماء ابتدا سے ہی ان آیات کے بارے میں تحقیق کرتے چلے آئے ہیں جن کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے حتیٰ کہ بحث و تمحیص کے بعد انہوں نے معدودے چند آیات کو منسوخ قرار دیا ان پر بھی بعض علماء نے گرفت کی اور ثابت کیا کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ محکم ہیں امام جلال الدین السیوطی اس ضمن میں یہ رائے رکھتے ہیں۔

امام سیوطی نے آیات منسوخہ کو اکیس تک محدود کر دیا ہے تاہم ان میں سے بعض کے منسوخ ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔(۲۶) مزید برآں خود امام سیوطی کا قول ہے کہ آیۃ الاستیذان: لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوْا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ (۲۷) اور آیۃ: اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوْفاً (۲۸) دونوں آیات منسوخ نہیں بلکہ بقول صحیح تر محکم ہیں آیت استیذان تو بلا خلاف محکم اور غیر منسوخ ہے البتہ آیۃ القسمۃ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آیت المواریث نے اسے منسوخ کر دیا مگر صحیح یہ ہے کہ یہ آیت بھی منسوخ نہیں بلکہ تاہنوز اس کا حکم باقی ہے گویا اس میں نفلی صدقات کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ بایں نظر امام سیوطی کے نزدیک آیات منسوخہ کی تعداد انیس ہوئی۔ اس سلسلے میں شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

والاصح فی آیۃ الاستیذان والقسمۃ الاحکام وعدم النسخ فصارت تسع عشرۃ

زیادہ صحیح ہے کہ استیذان اور قسمت کی آیات محکم ہیں منسوخ نہیں، تو کل منسوخ آیات انیس ہوئیں۔(۲۹)

شاہ ولی اللہ کی تحقیق

آخری دور میں شاہ ولی اللہ نے ان انیس آیات پر مفصل تبصرہ کر کے صرف پانچ آیتوں میں نسخ تسلیم کیا ہے اور باقی آیات میں ان تفسیروں کو ترجیح دی ہے جن کے مطابق "نسخ" ماننا نہیں پڑتا، ان میں سے اکثر آیتوں کے بارے میں حضرت شاہ صاحب کی توجیہات نہایت معقول اور قابل قبول ہیں لیکن بعض توجیہات سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے۔ شاہ صاحب نے جن پانچ آیتوں کو منسوخ مانا ہے ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْراً الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقّاً عَلَى الْمُتَّقِيْنَ

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو (آثار سے) مرنا قریب معلوم ہو جائے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو (اپنے) والدین و اقارب کے لئے معقول طور پر (کہ مجموعہ ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو) کچھ کچھ بتلا دیا جائے اس کو وصیت کہتے ہیں جس کو خدا کا خوف ہو ان کے ذمہ یہ ضروری (کیا جاتا) ہے۔(۳۰)

شروع اسلام میں جب تک کہ میراث کے حصے مقرر نہ ہوئے تھے یہ حکم تھا کہ ترکہ کے ایک تہائی حصہ تک مرنے والا اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کو جتنا مناسب سمجھے وصیت کر کے جائے۔(۳۱)بعد میں آیت میراث یعنی :یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِیۡ اَوۡلَادِکُمۡ (۳۲) (اور اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے) نے اس کو منسوخ کر دیا'اور اللہ تعالیٰ نے تمام رشتہ داروں میں ترکے کی تقسیم کا ایک ضابطہ خود متعین کر دیا'اب کسی شخص پر مرنے سے پہلے وصیت کرنا فرض نہیں رہا۔(۳۳)

حضرت شاہ ولی اللہ مذکورہ آیت کے منسوخ ہونے سے متعلق لکھتے ہیں :

بل منسوخة بآية :(يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيۡ اَوۡلَادِكُمۡ)و حديث لا وصيه الوارث (مبين للنسخ ۳۴) بلکہ یہ آیۃ یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِیۡ اَوۡلَادِکُمۡ سے منسوخ ہو گئی ہے اور حدیث :لاو صیة لوارث کی وضاحت کرتی ہے۔

اِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ عِشۡرُوۡنَ صَابِرُوۡنَ يَغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ وَ اِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ

اگر تم میں سے بیس آدمی (بھی) صبر (واستقامت) والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غلبہ حاصل کر لیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ (کافر) ایسی قوم ہیں جو صحیح سمجھتے نہیں ہیں۔(۳۴)

گو کہ یہ آیت ظاہر میں ایک خبر ہے مگر بلحاظِ معنٰی ایک حکم ہے اور وہ اس طرح کہ مسلمانوں کے لیے اپنے سے دس گنا دشمن کے مقابلہ سے فرار اختیار کرنا جائز نہیں۔بعد والی آیت نے اس کا حکم منسوخ کر دیا۔ارشاد ہوا :

اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنۡكُمۡ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيۡكُمۡ ضَعۡفًا فَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ وَ اِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ اَلۡفٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفَيۡنِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ

اب اللہ نے تمہارے واسطے تخفیف پیدا کر دی ہے'اور وہ جانتے ہیں کہ (اب) تم میں ضعف ہے پھر (اب) اگر تم میں سے سو افراد صاحب استقامت ہوں گے تو ان کو دو سو پر غلبہ حاصل رہے گا اور اگر تم میں سے ایک ہزار (افراد) ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے اور اللہ تعالیٰ (ہمیشہ) صبر (واستقامت) والوں کے ساتھ ہے۔"(۳۵)

اس آیت نے پہلی آیت کے حکم میں آسانی پیدا کر دی'اور دس گنا دشمن کی جگہ دوگنا کی حد مقرر کر دی۔

تیسری آیت سورۃ الاحزاب کی ہے جسے شاہ صاحب نے منسوخ قرار دیا :

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ لَا اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ

آپؐ کے لئے اس کے بعد اور عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ یہ (بات) جائز ہے کہ آپؐ ان (موجودہ) بیویوں کی جگہ دوسری بیویوں سے (نکاح) کرلیں اگرچہ آپؐ کو ان کا حسن اچھا معلوم ہو۔ (۳۶)

اس آیت میں آپؐ کو مزید نکاح کرنے سے منع فرمادیا گیا تھا بعد میں یہ حکم منسوخ کردیا گیا اور اس کو منسوخ کرنے والی آیت وہ ہے جو قرآن کی موجودہ ترتیب میں مذکورہ بالا آیت سے پہلے مذکور ہے یعنی :

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ اللّٰاتِيْ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ

اے نبیؐ ہم نے آپؐ کے لئے وہ بیویاں (نکاح میں لانا) جائز قرار دیا جنہیں آپ نے اُن کا مہر دے دیا۔ (۳۶)

جیسا کہ حضرت شاہ صاحب کا خیال ہے کہ :

يحتمل ان يكون الناسخ مقدما فى التلاوة و هو الاظهر عندى(۳۷)

میری رائے میں زیادہ واضح بات یہ ہے کہ امکان ہے کہ ناسخ تلاوت میں مقدم ہو۔

دراصل اس آیت سے سابق حکم کے منسوخ ہونے کا یقین نہیں ہوتا جیسے حضرت شاہ صاحب کا خیال ہے۔ محمد تقی عثمانی رقم طراز ہیں : بلکہ اس کی وہ تفسیر بھی بڑی حد تک بے تکلف اور سادہ ہے جو مفسر ابن جریر نے اختیار کی ہے کہ یہ دونوں آیتیں اپنی موجودہ ترتیب کے مطابق ہی نازل ہوئی ہیں يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الخ آیت میں اللہ تعالیٰ نے کچھ مخصوص عورتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ ان کے ساتھ نکاح آپؐ کے لئے حلال ہے، پھر اگلی آیت : لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ میں ارشاد ہوا :

کہ ان کے علاوہ دوسری عورتیں آپؐ کے لئے حلال نہیں ہیں۔ (۳۸)

چوتھی آیت میں جو شاہ ولی اللہ کے ہاں منسوخ ہے وہ یہ آیت ہے :

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

"اے ایمان والو! جب تم کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سرگوشی کرنی ہو تو سرگوشی کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دیا کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر اور پاکیزگی کا باعث ہے پھر اگر تم (صدقہ کرنے کے لئے) کچھ نہ پاؤ تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے۔" (۳۹)

مذکورہ بالا آیت کے بارے میں حضرت شاہ صاحب کہتے ہیں۔

(هی) منسوخة بالاية بعدها(۴۰)

یہ آیت اگلی (آیت) سے منسوخ ہوئی ہے اور وہ آیت یہ ہے :

ءَ اَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰكُمْ صَدَقَاتٍ فَاِذَا لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَه‘

اپنی سرگوشی سے پہلے صدقات پیش کرنے سے تم ڈر گئے کیا‘ پس جب تم نے ایسا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کرلی تو (اب) نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو‘ اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کہا مانا کرو۔(۴۱)

اس طرح سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم منسوخ کر کے اسے معاف کر دیا گیا جس کی حکمت ظاہر ہے کہ مصلحت کی خاطر یہ حکم واجب ہوا تھا وہ حاصل ہو گئی تھی کیوں کہ مقصود سرگوشی کا دروازہ بند کرنا تھا یہ مصلحت صدقہ منسوخ ہونے کے بعد بھی باقی رہی۔(۴۲)

پانچویں آیت منسوخہ حسب ذیل ہے :

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلاً نِصْفَه‘ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلاً

اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات (کہ اس میں قیام نہ کرو بلکہ آرام کرو) یا اس نصف سے کسی قدر کم کرو۔(۴۳)

اس آیت میں رات کے کم از کم آدھے حصہ میں تہجد کی نماز کا حکم دیا گیا تھا پھر آخیر کی ایک (لمبی) آیت میں جو کہ اول کی آیتوں سے ایک سال بعد نازل ہوئی تہجد کی فرضیت کو منسوخ فرما دیا خواہ صرف امت کے ذمہ سے یا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ سے بھی (۴۴) وہ آیت یہ ہے :

عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

(اللہ) کو علم ہے کہ تم ہرگز اس (حکم) کی پابندی نہیں کر سکو گے سو! اس نے تمہیں معاف کر دیا پس جتنا قرآن پڑھنا تمہارے لئے آسان ہو پڑھ لیا کرو۔(۴۵)

اس سے شاہ صاحب کا زاویۂ نظر یہ ہے کہ تہجد کا حکم تو پہلے بھی واجب نہیں تھا‘ لیکن پہلے اس میں زیادہ تاکید بھی تھی اور وقت میں بھی وسعت تھی بعد میں تاکید میں بھی کمی آگئی اور وقت کی پابندی بھی اتنی نہیں رہی فرماتے ہیں

بل الحق ان اول السورة فی تاکید الندب الی قیام

اللیل و آخرها نسخ التاکید الی مجرد الندب (۴۶)

یہ پانچ مثالیں جن میں شاہ صاحب کے نزدیک "نسخ" ہوا صرف اس صورت کی ہیں جس میں ناسخ اور منسوخ

دونوں قرآن کے اندر موجود ہیں علاوہ ازیں ایسی متفقہ مثالیں بھی قرآن کریم میں موجود ہیں جن میں ناسخ تو قرآن میں موجود ہے لیکن منسوخ موجود نہیں مثلاً : تحویل قبلہ کی آیات وغیرہ (۴۷)

حاصل بحث

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ

(۱) آیات قرآنیہ میں "نسخ" کا ہونا کوئی عیب نہیں کہ قرآن میں اس کے وجود سے انکار کیا جائے

(۲) بلکہ یہ حکمت الٰہیہ کا عین تقاضا ہے بنابر ایں کسی آیت کی تفسیر کو ماننے سے محض اس لئے انکار نہیں کرنا چاہیے کہ اس کے مطابق ہو قرآن میں "نسخ" لازم آتا ہے۔

(۳) جو تفسیر اصول تفسیر کے مطابق ہو اسے اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں خواہ اس میں آیت کو منسوخ قرار دینا پڑتا ہو۔

حواشی و حوالہ جات

۱) القاموس الفرید، وحید الزمان کبرانوی، صابری دار الکتب لاہور ص ۶۳۹ و مصباح اللغات، عبد الحفیظ بلیاوی، پروگریسو بکس، اردو بازار، لاہور ۱۹۹۴ء

۲) الحج : ۵۲ ۳) النحل : ۱۰۱

۴) البرہان فی علوم القرآن، السیوطی، ۳۴/۲ نیز البرہان ص ۲۹/۲

۶) الجاثیۃ : ۲۹ ۷) البرہان فی علوم القرآن۔ ص۔ ۲۶/۲

۸) علوم القرآن، محمد تقی عثمانی، ص ۱۵۹ ۹) ایضاً : ص ۱۶۰

۱۰) "بداء" کا مطلب اہل السنۃ مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بدلتا رہتا ہے وہ جس بات کو چاہتا ہے بدل لیتا ہے، ایک بات کا حکم صادر کر لیتا ہے لیکن پھر اس کے برعکس کا حکم دے دیتا ہے۔ (علوم القرآن، صبحی صالح۔ ص ۳۷۴)

۱۱) البقرہ : ۲۲۱ ۱۲) المآئدہ : ۵ ۱۳) علوم القرآن محمد تقی عثمانی۔ ص ۱۶۲

۱۴) حوالہ بالا ص ۱۶۳

۱۵) انساء : حکم متاخر کرنے، بھلا دینے اور ملتوی کرنے کو کہتے ہیں۔ (علوم القرآن صبحی صالح۔ ص ۳۷۴)

۱۶) المائدہ : ۱۰۵ ۱۷) احکام القرآن ابن العربی، دار احیاء الکتب العربیۃ مصر ۱۳۷۶ھ ۲۰۵/۱

۱۸) الاعراف : ۱۹۹ ۱۹) احکام القرآن، ابن العربی ص ۳۸۸/۱

۲۰) قرآن محکم، عبدالصمد رحمانی، مجلس معارف القرآن دیوبند ۱۳۸۶ھ ص ۱۲۰

۲۱) علوم القرآن صبحی صالح۔ ص ۲۶۶ ۲۲) الانعام : ۱۴۷ ۲۳) علوم القرآن، محمد تقی عثمانی، ۱۶۵

۲۴) تفسیر روح المعانی : للآلوسی، داراحیاء التراث العربی بیروت۔ لبنان۔ الطبعۃ الرابعۃ : ۱۴۰۵ھ۔ ۱۹۸۵ء ص ۱۱/ ۳۵۱

۲۵) البقرہ : ۱۸۰

۲۶) البرہان فی علوم القرآن، الزرکشی، ص ۲/ ۳۳ نیز الناسخ والمنسوخ لابن سلامہ ص ۱۴ والاتقان فی علوم القرآن ۲/ ۳۷۔۳۸ نے سیوطی نے یہاں ایسی تمام آیات کو جمع کر دیا ہے جن کو منسوخ قرار دینا زیادہ صحیح اور اصوب ہے۔

۲۷) النور۔ ۵۵ ۲۸) النساء ۸

۲۹) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، شاہ ولی اللہ، قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی۔

۳۰) البقرہ : ۱۸۰

۳۱) خلاصہ تفسیر بیان القرآن مولانا اشرف علی تھانوی۔ محمد عثمان تاجر کتب دہلی ۱۳۴۱ھ۔ ص ۴۲

۳۲) النساء : ۱۱ ۳۳) علوم القرآن، محمد تقی عثمانی، ص ۱۶۸

۳۴) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر شاہ ولی اللہ۔ ص ۴۱ ۳۵) الانفال : ۶۵۔۶۶

۳۶) الاحزاب : ۵۰ و ۵۲ ۳۷) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص ۴۵

۳۸) تفسیر ابن جریر طبری بحوالہ علوم القرآن محمد تقی عثمانی۔ ص ۱۷۰

۳۹) المجادلۃ : ۱۲ ۴۰) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص ۴۵

۴۱) المجادلۃ : ۱۳ ۴۲) خلاصہ تفسیر بیان القرآن ص ۸۶۹ ۴۳) المزمل : ۱

۴۴) جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل آیت "و من اللیل فتهجد به نافلة لك" کی تفسیر میں ہے کہ تہجد پہلے سب پر فرض تھی۔ پھر امت کے ذمہ سے فرضیت منسوخ ہو گئی لیکن حضورؐ کے بارے میں دو قول ہیں :۱) کہ آپؐ پر بھی فرض نہیں رہا تھا۔ پہلے قول کے مطابق نافلہ کے لغوی معنی مراد ہوں گے یعنی آپؐ کے لئے فرض زائد ہے۔۲) آپ پر فرض تھا۔ دوسرے قول کے مطابق آپؐ کے لئے زائد ہونے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ تہجد کا زائد ہونا آپؐ ہی کے لئے خاص ہے۔ دیکھئے خلاصہ تفسیر بیان القرآن ص ۴۲۶

۴۵) المزمل : ۲۰ ۴۶) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص ۴۶

۴۷) علوم القرآن محمد تقی عثمانی ص ۱۷۳

سورۃ الشوریٰ کی منتخب آیات کی تفسیر

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک

مشورہ کی اہمیت کے ذیل میں فرمان الٰہی ہے " وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" اس سے ہی اس سورہ کا نام "الشوریٰ" اخذ کیا گیا ہے۔

زمانہ نزول

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے اور ہجرت حبشہ کے بعد یہ سورت نازل ہوئی۔

مضامین

اس سورۃ میں کفار کو مخاطب کر کے دعوت فکر دی گئی ہے اور ان کی جانب سے پیدا کئے جانے والے اعتراضات واشکالات کو دور کیا گیا ہے۔

(۱) نبی اکرم صلی علیہ وآلہ وسلم کی بابت مختلف قسم کی باتیں اہل مکہ کیا کرتے' اس سلسلہ میں فرمایا کہ انسانیت کی تخلیق کی طرح ان کی رہنمائی اور ہدایت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل بھی اللہ تعالیٰ نے بے شمار انبیاء و رُسُل انسان کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے۔ اسی لئے تمام انبیاء کی تعلیمات میں یکسانیت پائی جاتی ہے اور یہی اس کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔ انسانی دماغ و فکر کی کاوش کے نتیجہ میں جو چیز تیار ہو گی' اس کی جہتیں مختلف اور متفرق ہوں گی۔ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے باوجود تمہاری ہٹ دھرمی' دین سے دوری اور شرک ایسے عظیم گناہ کے سبب تم پر آسمان پھٹ پڑے تو بعید نہیں۔ تمہاری اس بے راہروی اور گمراہی پر تو فرشتے

بھی حیران ہیں۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ تھا کہ یہ دین برحق ہے تو اللہ تعالیٰ ساری انسانیت کو اس پر ہی کیوں نہیں جمع کر دیتے؟

اس سلسلہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو جبری ہدایت مطلوب نہیں بلکہ انسان کی عظمت و شرافت کی بنیاد ہی یہ ہے کہ اسے عقل و شعور اور حق و باطل کے امتیاز کی صلاحیت دے کر پیدا کیا گیا ہے اس کو ایک حد تک ذی اختیار بنایا گیا ہے کہ سوچ وچار کر کے چاہے تو ہدایت کو اپنائے اور اگر چاہے تو گمراہی کی راہ پر چل نکلے' اور آخرت کی زندگی اس لئے ہی بنائی گئی ہے کہ انسان کو اس کی سوچ و فکر اور اس کے اختیاری اعمال پر جزا و سزا کا مستحق ٹھہرایا جا سکے جبکہ دیگر مخلوقات کو یہ امتیاز حاصل نہیں۔ یہ عقل و شعور کا امتیاز ہی انسان کی ولایت و خلافت کی بنیاد بنایا گیا۔ جو شخص اپنے اختیار سے حق ولایت ادا کرے گا' وہی ولی و خلیفہ ہو گا اور انعامات کا حقدار بھی۔

(۳) اس سورۃ میں یہ بھی صراحت کی گئی کہ منصب نبوت پر کوئی شخص اپنے کسب اور ریاضت سے فائز نہیں ہو سکتا بلکہ یہ اللہ کا انعام ہے اور نبی کی ذمہ داری یہ ہے کہ غفلت سے بیدار کر کے گمراہ اور بہکے ہوئے انسانوں کو راہ راست کی دعوت دے اور اللہ کے منکروں کو آخرت کے محاسبہ اور عذاب کی خبر قبل از وقت دے تاکہ لوگ آخرت کے عذاب اور اللہ کے غضب سے بچنے کی راہ پر چل سکیں۔ نیز نبی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کائنات کے خالق کا صحیح تعارف کرائے اور حق و باطل کے امتیاز کے لئے معیار اور کسوٹی دے۔ اسی لئے ہر نبی اللہ کی حاکمیت اور الوہیت کا ذکر کر کے انسانوں کو اپنے رب کے آگے جھکنے کا حکم دیتا ہے۔

(۴) منصب نبوت کی وضاحت کے بعد ذکر فرمایا کہ دین داری اس کا نام نہیں کہ انسان اس کی حقانیت کا اقرار کر کے بیٹھ رہے بلکہ اس کے ذمہ یہ ہے کہ وہ اس حقیقت کو سمجھ کر اللہ کی زمین پر بسنے والے سارے انسانوں کو اس سے متعارف کرائے اور اس دین کو اللہ کی زمین پر نافذ اور رائج کرنے کے لیے جدوجہد کرے تاکہ خود نمائی اور خود پسندی کی بدولت پیدا شدہ فرقوں اور مذاہب کا خاتمہ ہو جائے اور یہ کہ اگر اس زمین پر بسنے والے انسان اپنی بے راہ روی اور گمراہی پر اڑے رہیں اور نبی کی مخالفت کرتے رہیں تو نبی کو ذرہ برابر نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ البتہ بدترین جرم (شرک اور اللہ کے نبیوں کی مخالفت) کے باعث اللہ کے غضب کے مستحق ضرور ہو جائیں گے۔

(۵) نبی اور اس کے ساتھیوں کی بے داغ سیرت اور کردار کا تذکرہ ہوا اور فرمایا کہ تمہارے ساتھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس برس تک تم میں رہے اور اس دوران "کتاب اور تعلیم و تعلم" کے تصور سے خالی تھے اور اس بات کے تم خود بھی شاہد ہو اور یہ سب اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کی یہ نبوت کسبی نہیں اور نہ ہی آپ کی خواہش پر یہ آپ کو عطا کی گئی۔ نیز یہ ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کے ساتھ براہ راست ہمکلام ہو۔

اس سورۃ میں تفرقہ سے بچنے' وحدت امت اور محبت و مروت کی ضرورت کے ساتھ ایمان' اعمال صالحہ' اقامت صلوٰۃ' انفاق فی سبیل اللہ' عفوودرگزر اور اصلاح عامہ کی تلقین ہے۔ بے حیائی گناہ اور ہر قسم کی بُرائی سے بچنے کا حکم ہے۔

شرک کے باوجود عذاب نہ آنے کا سبب

حروف مقطعات کے ساتھ سورۃ کا آغاز ہوا اور اللہ کی حاکمیت کا ذکر کر کے فرمایا :

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ

قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور جو لوگ زمین میں ہیں ان کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ (شوریٰ۔ ۵)

یعنی ان مشرکوں کا جرم اس قدر بڑا ہے کہ اگر فرشتوں کی تسبیح نہ ہوتی تو آسمان پھٹ پڑتے۔

شرک اور اس کی اقسام

اس کے بعد شرک کی وضاحت فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ

جن لوگوں نے اللہ کے علاوہ کارساز بنا رکھے ہیں وہ اللہ کو یاد ہیں۔ (شوریٰ۔ ۶)

اس آیت مبارکہ میں شرک کی ایک قسم کا ذکر ہے جبکہ شرک کے مختلف انداز اور طریقے ہیں۔

۱۔ اللہ کی ذات میں کسی کو شریک کرنا۔

۲۔ اللہ کی صفات میں کسی کو شریک کرنا۔

۳۔ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا۔

۴۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ نیک لوگ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کر کے ہمیں جبراً چھڑا لیں گے یا ہماری بدعملی اور بے عملی کے باجود اللہ کے قریب کر دیں گے۔

(۵) اللہ کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے مخلوقات میں سے اپنے لیے خود ہی اولیاء اور کارساز بنا لینا۔

اس آخری قسم کا یہاں ذکر ہے اور اسی شرک سے بچانے اور ام القریٰ کے رہنے والوں کی راہنمائی کے لئے قرآن مجید اتارا گیا۔ اس قرآن کے بعد جو لوگ اپنے اختیار اور عقل سے کام لے کر اس پر عمل پیرا ہو جائیں گے' ان کے لئے رحمت اور دوسرے طبقہ کے لئے آگ کے شعلے ہیں اور فرمایا کہ ان لوگوں کی عقل و دانش پر غور کریں۔ ارشاد باری

تعالیٰ ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

کیا انہوں نے اللہ کے علاوہ کارساز بنائے ہیں۔ حالانکہ کارساز تو اللہ ہی ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (شوریٰ : ۹)

یعنی اہل مکہ اللہ تعالیٰ کا اقرار بھی کرتے ہیں اور اپنی حاجات و ضروریات کے لئے انہوں نے 360 معبود بھی خود تراش کر کے رکھے ہوئے ہیں۔ کیا یہ ان کے عقل و شعور کی ناپختگی اور کم عقلی کی دلیل نہیں کہ انہوں نے قادر مطلق کی ذات کو چھوڑ کر پتھر کے من گھڑت بتوں کو اپنا کارساز بنا رکھا ہے ؟

خیال غیر سے نفرت دل عاشق کو لازم ہے
محبت ان کی کہتی ہے کہ ترک ماسوا کر دوں

دکھ بھی وہی دیتا ہے، سکھ بھی، پھر کاہے کا رونا ہے
یہ تو ہے اپنی اپنی بھاون جیسا مانگے ویسا پائے

شرک کا آغاز

گمراہی کا یہ سلسلہ سیدنا نوح علیہ السلام کے دور سے چلا آرہا ہے اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی وہی طریقہ اور شریعت عطا کی جو نوح علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ

اللہ نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح (علیہ السلام) کو دیا تھا اور جسے اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم، عیسیٰ اور موسیٰ (علیہم السلام) کو دے چکے ہیں اس تاکید کے ساتھ کہ اس دین کو قائم کرو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ (شوریٰ : ۱۳)

ہدایت کن کو ملتی ہے ؟

اللہ جس کو چاہتا ہے اپنا کر لیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ○ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَاجَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ○

اور اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔ لوگوں میں جو تفرقہ رونما ہوا وہ اس کے بعد ہوا کہ ان کے پاس علم آچکا تھا اور اس بناء پر ہوا کہ وہ ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ اگر تیرا رب پہلے یہ نہ فرما چکا ہوتا کہ ایک وقت مقرر تک فیصلہ ملتوی رکھا جائے تو ان کا قضیہ چکا دیا ہوتا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ کتاب کا وارث بننے کے بعد اضطراب انگیز شک میں پڑے ہوتے ہیں۔

(الشوریٰ : ۱۳۔۱۴)

یعنی جو دین ہم نے آپ کی طرف بھیجا یہ وہی ہے جو پہلے تمام انبیاء نوح علیہ السلام' موسیٰ علیہ السلام' ابراہیم علیہ السلام' عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا۔ یہ کوئی نیا دین اور طریقہ نہیں' اہم بات یہ ہے کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

فرقہ واریت کا سبب

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

اللہ کی رسی کو سب مضبوطی سے پکڑ لو تاکہ تم فرقہ نہ بنو۔ (آل عمران ۱۰۳)

اس آیت میں ولا تفرقوا میں جو واؤ ہے اس کو واؤ سببیت کہتے ہیں۔ جیسے ہم کسی بچے سے یوں کہتے ہیں کہ بیٹے محنت کرو اور کامیاب ہو جاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ محنت کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ تو یوں کہا گیا کہ اللہ کی رسی کو یعنی قرآن اور سنت کو سارے لوگ' سارے مسلمان مضبوطی سے تھام لیں تاکہ تفرقہ نہ پڑے۔ یعنی اگر قرآن کو مضبوطی سے نہیں تھامو گے تو فرقہ فرقہ ہو جاؤ گے جس کا دوسرا مفہوم یوں ہو گا کہ اگر تم فرقہ فرقہ ہو چکے ہو تو اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ تم نے قرآن و سنت کو مضبوطی سے نہیں پکڑا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ

"دین کو قائم کرو تاکہ تم فرقہ فرقہ نہ بن جاؤ۔"

سب لوگ مل کے اللہ کے دین کو قائم کرنے میں لگ جاؤ۔ ایسا نہیں کرو گے تو فرقہ بندی کا شکار ہو جاؤ گے کیونکہ فرقہ بندی کے دو اسباب ہیں۔

(۱) قرآن سے بے پرواہی (۲) دین نافذ کرنے کی کوشش نہ کرنا

آپ ذرا اپنے اردگرد نگاہ دوڑائیں۔ فرقہ بندی کے ماہرین چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے جھگڑے کر رہے ہیں اور دین کی بنیادوں کو قائم کرنے کی فکر ہی نہیں کرتے۔ اسی لئے فرمایا کہ دین کو قائم کرو۔

اقامت صلوۃ کا معنی

سوال یہ ہے کہ نماز کو قائم کرنے سے کیا مراد ہے؟ اس کے لئے فرمایا گیا کہ "اقیموا الصلاۃ" کہ نماز کو قائم کرو۔ کیا نماز کو قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ نماز ادا کر لی جائے اور بس۔ نہیں بلکہ نماز قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ ایک ایسا نظام قائم کیا جائے کہ اس میں ہم' ہمارے گھر اور محلے والے بھی نماز پڑھنے لگ جائیں۔ اور جو نماز نہ پڑھے اس کو سزا دی جائے۔ اس کے لئے اسلامی شریعت میں تعزیر ہے۔ کیونکہ اس سے ڈسپلن قائم ہوگا۔ بالکل ایسے جیسے فوج میں بگل بجنے پر سپاہی میدان میں نکل آتا ہے اور جو نہیں آتا اس کا کورٹ مارشل ہوتا ہے۔ نماز قائم کرنے سے ایک نظام قائم ہوگا اور پھر دین قائم ہوگا یعنی ایک سسٹم اور نظام بنے گا جس کی وجہ سے سارا معاشرہ دینی احکام کے تابع اپنی زندگی گزارے گا۔ ذرا تفصیل میں چلئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا

چور مرد اور چور عورت! ان کے ہاتھ کاٹ دو۔ (المائدہ۔ ۳۸)

اس کے لیے سرکاری نظام اور حکومت کے تحت ایک قاضی ہوگا جس کا فیصلہ بہرحال ماننا پڑے گا دوسرا حکم دیا کہ :

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ

اے عقل والو! تمہارے لیے جان کے بدلے جان کا بدلہ لینے میں زندگی ہے۔ (البقرۃ : ۱۷۹)

اب قاتل کو سزا دینے کے لئے اسلامی عدالت ہوگی۔ انگریز بہادر کی قائم کردہ عدالت نہیں۔ اسی طرح فرمایا کہ "سود لینا اور دینا اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف اعلان جنگ ہے۔" یعنی ایک معاشی نظام قائم کیا جائے جو سود سے پاک ہو تو اب "دین کو قائم کرو" کا مطلب یقیناً واضح ہو گیا۔

اسی طرح قرآنی حکم ہے :

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ

زانی عورت اور مرد! ان کو سو سو کوڑے مارو۔ (النور۔ ۲)

ظاہر ہے یہ کام بھی اسلامی حکومت ہی کرے گی۔ کیونکہ دین صرف عبادات کا نام نہیں بلکہ دین اخلاق' معاملات' حقوق' تعزیرات وغیرہ کا نام ہے جن کو نافذ کرنے سے دین قائم ہوگا اور یہ بات مشرکین کو بہت ناگوار گزرتی ہے کہ دین کی تشریح یوں کی جائے۔ ہاں! اگر دین انفرادی معاملہ ہوتا تو بات ہر خطرے سے خالی تھی۔ مسجد میں گھن

گرج کرلی' ہاتھ چوموالئے' اپنی چودہراھٹ قائم کرلی اور بس۔ ایسی صورت میں تو مسجد اور چرچ میں کوئی فرق نہ رہا۔ اس طرح کے دین پر تو دنیا کے بڑے سے بڑے ظالم اور انسان دشمن شخص کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا لیکن اگر نماز کو متعدی بنایا جائے کہ نماز اخلاق' معاملات' کاروبار' دفتروں' عدالتوں اور وزارتوں وغیرہ سب پر اثر انداز ہونے لگے تو پھر یہی نماز انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عظیم انقلاب کا سبب بن جائے گی اور دین کو قائم کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ نماز اور دین کی ایسی تعبیر پہ لوگوں کو ناگواری ہوتی ہے کیونکہ اقامت دین کی یہ شکل ہر ظلم' ہر استحصال' ہر کفر اور ہر ضلالت کے راستہ میں چٹان بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَاتَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ

مشرکین کو یہ بات بہت ناگوار گزرتی ہے جس کی طرف تم ان کو بلاتے ہو۔ (الشوریٰ۔ ۱۳)

شعیب علیہ السلام کو بھی قوم نے کہا کہ کیا تیری نماز ہمیں ہماری جائیدادوں سے محروم کرتی ہے؟ کیونکہ تمہاری نماز کہتی ہے کہ کم نہ تولو' حلال کماؤ اور یہ بات مشرکین مکہ کو اور (معذرت کے ساتھ) آج ہم کو ناگوار گزرتی ہے۔

دو قسم کے لوگ

دیکھئے معاشرہ میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں: ایک وہ لوگ کہ اللہ خود ہی انہیں اپنی طرف کھینچ لیتا ہے' جس کے بارے میں فرمایا:

اَللّٰهُ يَجْتَبِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے لئے چن لیتا ہے۔ (الشوریٰ۔ ۱۳)

آپ کو کئی لوگ ملیں گے کہ ساری عمر گمراہ رہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اس طرح سے کھینچ لیا کہ باقی لوگ ان کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جن کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

وَيَهْدِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ O

"جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے' اللہ اس کو ہدایت عطا فرما دیتا ہے۔ (الشوریٰ: ۱۳)

فرقہ واریت مشرکین کا کام

اللہ رب العزت نے ایک مقام پر فرقہ پرستی کی مذمت میں فرمایا:

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ O مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ط

اور مشرکوں میں سے نہ بن جاؤ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور الگ الگ جماعتیں بن گئے۔

(الروم: ۳۱۔۳۲)

اس آیت میں بہت قطعیت کے ساتھ یہ بات بیان کر دی گئی کہ دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اور پوری اُمت مسلمہ کو گروہوں میں تقسیم کر دینا دراصل مشرکین کا کام ہے۔ صاف اور سیدھی بات ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی ذات' صفات' حقوق اور اختیارات میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا وہ تو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گا اور اتباع رسول کرے گا۔ اسے بال کی کھال اتارنے اور خواہ مخواہ کے جھگڑوں جھمیلوں میں پڑنے کی فرصت ہی نہیں ہو گی۔ ایسا شخص تو وحدتِ ملت کا مصدر و منبع ہے۔ ایسے شخص کے ہاں علمی اختلاف کی بھی گنجائش ہے۔ اس کے ہاں ایک آیتِ قرآنی اور ایک حدیث کے کئی معنی اور کئی تاویلیں کی جا سکتی ہیں۔ یہ شخص مختلف معانی اور مختلف تاویلیں کرنے والے علماء کو بھی اپنی طرح کا نیک نیت عالم ہی سمجھے گا اور پورے وقار' عزت' حُسنِ ظن اور تحمل کے ساتھ ہر اس رائے کو برداشت کرے گا جو اس کی ذاتی رائے سے مختلف ہو گی۔ اس شخص کے رویئے کے نتیجے میں مختلف آراء' مختلف معانی اور مختلف تاویلات کے لوگ ایک ہی جگہ نیک نیتی اور خوش دلی سے اکٹھے ہو سکتے ہیں اور اکٹھے مل کر اقامت دین کا کام کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس ایک مشرک انسان کا رویہ بالکل مختلف ہو گا۔ بدنصیبی یہ کہ بعض لوگوں کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ مشرک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ قسمیں کھا کھا کر قیامت کے روز کہیں گے کہ ہم مشرک نہیں تھے :

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ

اپنے پروردگار اللہ کی قسم! ہم مشرک نہیں۔ (الانعام۔ ۲۳)

اللہ کے حضور اس دن جھوٹی قسم کھانے کا تو سوال ہی نہیں ہو گا۔ اصل معاملہ یہ ہو گا کہ یہ لوگ زندگی بھر لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے شرک کرتے رہے ہوں گے۔ اسی شرک کو یہ لوگ خلوص نیت مگر جہالت کی وجہ سے عین توحید سمجھتے رہے ہوں گے۔

ہاں! تو ایک مشرک انسان کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ موحد کے برعکس اسے ایک خدا کی عبادت کے ساتھ ساتھ کئی اور ہستیوں کی عبادت کی بھی گنجائش رکھنی پڑتی ہے۔ یہیں سے راہیں جدا ہو جاتی ہیں اور کئی فرقوں کی بنیادیں پڑ جاتی ہیں۔ ایسا شخص علم کے باوجود ہٹ دھرمی سے دین کی نئی سے نئی تاویلیں اور معانی نکالتا ہے اور ڈھٹائی کے ساتھ ہر اس شخص کو کافر اور گمراہ قرار دیتا ہے جو اس سے اختلاف رائے رکھے۔ اس شخص کو تو اپنے حلوے مانڈے' سیاسی دہلیزوں پر جبہ سائی' عوامی خواہشات کے مطابق وعظ گوئی' مجمع بازی' مناظرہ بازی' لاؤڈ سپیکر کی گھن گرج' اشتہارت میں نام و نمود' دیواروں پہ اپنے نام کی کثرت ظہور' ہر قسم کی سستی شہرت' حصول اقتدار اور مال و دولت جمع کرنے کا ہی فکر لاحق رہتا ہے۔ اس کے لئے اسے اپنے جبہ و دستار کو سنوارنا پڑتا ہے۔ کرامات بیان کرنے والی ایک جماعت اپنے ساتھ رکھنی پڑتی ہے اور اچھا بھلا خرچہ ان پر اٹھانا پڑتا ہے۔ ایسے شخص کی ترجیحات میں کبھی یہ بات نہیں آتی کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرے اور صرف رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرے۔ اسے تو اپنی گمراہیوں کی رعایت رکھتے ہوئے کئی

راستے کھولنے پڑتے ہیں اور یہی' فرقہ اور فرقہ پرستی کا اصل سبب ہے۔ قرآن مجید ان لوگوں کو "مشرکین" قرار دیتا ہے کیونکہ یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی نہیں بلکہ غیروں کی خصوصاً اپنے نفس کی عبادت کر رہے ہوتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ آپؐ اعلان کر دیں کہ مجھے عدل قائم کرنے کا حکم ملا ہے' اور عدل یہ کہ اللہ میرا اور تمہارا رب ہے اور وہ ایک ہے اور اس کی صفت یہ بھی ہے :

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ○ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْلَه' فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَالَه' فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ○

اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے جسے جو کچھ چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور وہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔ جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے اس کی کھیتی کو ہم بڑھاتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے دنیا میں ہی دیتے ہیں مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ (الشوریٰ۔ ۱۹۔ ۲۰)

یعنی اللہ تعالیٰ تمام بندوں پر مہربان ہیں اور دنیا دار العمل اور دار الامتحان ہے' اس لئے کسی بھی بندے کو کسی عمل پر زبردستی سے مجبور نہیں کرتے۔ بلکہ ہر شخص کو نیکی اور برائی کا برابر موقع دیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے کہ جو شخص نیکی کا راستہ چن لیتا ہے ہم اس کی مدد کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ نیکی میں مدد کریں اور برائی کرنے والے کا راستہ روک لیں کیونکہ یہ تقاضائے عدل کے خلاف ہے۔ پھر فرمایا کہ جو شخص آخرت چاہے گا تو ہم اس کو آخرت دیں گے اور دنیا بھی! کیونکہ آخرت دنیا کے راستے سے ہی ملا کرتی ہے۔ دنیا کے بغیر آخرت نہیں ملتی کیونکہ جو دنیا میں وقت گزارے گا' بیوی بچوں میں رہے گا' کاروبار کرے گا' کمائے گا' خرچ کرے گا' لوگوں کے ساتھ معاملات کرے گا' جھگڑے گا' جھڑکیاں کھائے گا' دھکے کھائے گا' زیادتیاں سہے گا اور اس طرح وہ آخرت میں پہنچ جائے گا تو وہاں اس کے ساتھ جزا و سزا کا معاملہ ہو گا اور جس کو دنیا نہ ملی اس کے لئے جزا و سزا کیسی ؟

جو شخص صرف دنیا حاصل کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور آخرت میں بالکل نہیں دیتے۔ ہاں جو شخص آخرت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے آخرت بھی دیتے ہیں اور دنیا بھی عطا کرتے ہیں۔

مودت قربٰی

اس کے بعد فرمایا کہ :

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْراً اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

کہہ دیجئے! کہ میں اس (رسالت) کا تم سے صلہ نہیں مانگتا مگر قربٰی (اہل بیت) کی محبت۔ (الشوریٰ۔ ۲۳)

ہٹ دھرمی اور وبال

اس کے بعد فرمایا کہ اگر تم اپنی ہٹ دھرمی کے باعث وبال کا شکار ہو جاؤ تو اس میں میرا کیا قصور ؟ ارشاد باریٰ تعالیٰ ہے :

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ○

تم پر جو مصیبت آئی ہے تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آئی ہے۔ اور بہت سی کوتاہیوں سے وہ ویسے ہی درگزر کر جاتا ہے۔ (الشوریٰ۔ ۳۰)

اللہ تعالیٰ انسان کی عام غلطیاں معاف کر دیتا ہے اور جب انسان سنبھلنے کے بہت سے مواقع ضائع کر دیتا ہے' اس کی زندگی میں شر غالب آجاتا ہے اور خیر مغلوب ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ گرفت فرما لیتے ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے ایک شخص کو چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا سنا دی۔ اس نے کہا : امیر المومنین! یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے چوری کی ہے۔ انہوں نے فرمایا : یہ پہلا موقع نہیں۔ اللہ نے تمہیں سنبھلنے کے بہت مواقع دیئے۔ تم نے تمام مواقع گنوا دیئے اور آخر اللہ نے تمہارا راز فاش کر دیا اور تمہیں سزا دی گئی۔ وہ کہنے لگا : اے امیر المومنین! آپ کو کیسے پتہ چلا ؟ انہوں نے فرمایا کہ قانون الٰہی ایسا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت سے گناہ معاف کر دیتا ہے اور جب انتہا ہو جائے تو پکڑ لیتا ہے۔ اسی طرح اقوام کو بھی ڈھیل دیتا ہے اور پھر اچانک پکڑ لیتا ہے۔ ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے :

"اہل ایمان کو جو تکلیف آتی ہے ان کے گناہوں کا کفارہ اور درجات کی بلندی کا سبب بنتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ اس کو کسی نہ کسی خطا کا کفارہ بنا دیتا ہے۔"

دنیا آخرت کی کھیتی

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ○

جو دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی زندگی کا سر و سامان ہے اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی۔ وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لائے ہیں اور اپنے اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں جو بڑے بڑے

گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب غصہ آجائے تو درگزر کر جاتے ہیں۔ جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں' اپنے معاملات باہمی مشورے سے چلاتے ہیں' ہم نے جو کچھ بھی رزق انہیں دیا ہے' اس سے خرچ کرتے ہیں اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو پھر اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ (الشوریٰ: ۳۶۔۳۹)

اس کے بعد فرمایا:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○

جس شخص نے صبر کیا اور معاف کیا تو بلاشبہ وہ بلند ہمت والا ہے۔ (الشوریٰ۔ ۴۳)

صبر کرنے والا شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو بروقت قابو میں رکھے اور اللہ کی اطاعت کرے۔ اگر اس کو آسانیاں اور نعمتیں ملیں تو اللہ کی اطاعت کرتا رہے اگر مشکلات درپیش ہوں تو بھی اللہ کی اطاعت کرتا رہے۔ اور شکور کے معنی ہیں شکر کرنے والا کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو نعمتیں دے تو وہ کہے کہ یہ نعمتیں اللہ کی دی ہوئی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ اس سے نعمتیں چھین لے اور مشکلات آجائیں تو یوں کہے کہ آج مشکل آگئی تو کیا ہوا؟ اب تک اللہ نے جو نعمتیں دیں وہ تھوڑی نہ تھیں اور اب بھی نعمتیں تو باقی ہیں' تھوڑی ہی نعمتیں چھن جانے پر اللہ کی ناشکری کیسے کروں؟ کیونکہ جس قدر نعمتیں تمہیں دنیا میں حاصل ہیں یہ چند روزہ سامان ہے۔ اصل نعمتیں اور اصل خیر وہ ہے جسے تم اللہ کے ہاں ہمیشہ کے لئے دے دو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ دنیا میں تمہارا نصیب یہ ہے جو تم نے کھالیا' فنا ہو گیا جو تم نے پہن لیا وہ بوسیدہ ہو گیا اور جو تم نے آگے دے دیا اور اسے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا' اور پھر فرمایا کہ اصل نقصان تو آخرت کا نقصان ہے۔ اس لئے آخرت کے عذاب تک پہنچائے جانے سے پہلے پہلے اللہ کا حکم مان لو' کیونکہ اس دن اس کی رحمت کے علاوہ کوئی ٹھکانا نہ ہو گا۔

حفاظت قرآن اور اختلافِ قرائت

اختر رضا کیکوٹی

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے من جانب اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ :

لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافاً كَثِيْراً

اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پایا جاتا۔(۱)

ظاہر ہے اس اختلاف سے مراد صرف مفاہیم و مطالب کا ہی اختلاف نہیں بلکہ الفاظ و قرائت کا اختلاف بھی اس میں شامل ہے۔ اس عظیم دعویٰ کے ہوتے ہوئے ہمارا ایمان ہونا چاہیے کہ قرآن اگر مفاہیم و مطالب کے اختلاف سے مبرا ہے تو الفاظ و قرائت کے اختلافات سے بھی پاک ہے۔ لیکن جب ہم اپنے تاریخی لٹریچر پہ نظر دوڑاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے علماء و محدثین کی سب سے بڑی کوشش یہی رہی ہے کہ روایات کے بل بوتے پر قرآن میں زیادہ سے زیادہ اختلاف کو ثابت کیا جائے۔ بقول اکبر الہ آبادی :

قرآن کے اثر کو روک دینے کے لئے
ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

تاریخ و حدیث کے ہر مصنف نے زیادہ سے زیادہ وسائل سے اس خیال کی توثیق کی کہ عہد رسولؐ و صحابہؓ میں قرآن مجید کی مختلف قرائتیں رائج تھیں۔ جن میں صرف ادائے حروف کا ہی اختلاف نہ تھا بلکہ ہزاروں الفاظ اور سینکڑوں آیات کا بھی اختلاف تھا۔ بڑے بڑے علماء فقہا محدثین نے اس خیال کی توثیق کے لئے اس موضوع پر الگ کتب تصنیف کیں۔ جن میں ابان بن تغلب (متوفی ۷۸۵ء) ابو عبیدہ قاسم بن سلام (متوفی ۸۳۱ء) سعد بن حسن ابن ابی سارہ عرف ابو جعفر رواسی کوفی (۷۹۶م) حمزہ بن حبیب زیات کوفی اور امام ابن ابی داؤد کی تصانیف خاصے کی چیزیں ہیں'

جن میں ان اختلافات کو بہ دلائل و براہین کے ذریعے ثابت کیا گیا اور قرآن کو محرف ثابت کرنے کے لئے تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لایا گیا۔ ہمارے ہاں ایک مخصوص (۲) فرقے کو محرفِ قرآن ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے لیکن اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو اس کارِ خیر میں اہل سنت حضرات بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ اوپر جن مصنفین کا تعارف کرایا گیا ہے ان میں سے بھی دو کا تعلق اہل سنت والجماعت سے ہے۔ (۳) باقی کتب کو چھوڑیئے۔ صحاحِ ستہ کے ذخیرۂ احادیث پر نظر دوڑایئے' آپ کو قرآن کے نامکمل اور محرف ہونے کے بے شمار دلائل مل جائیں گے۔ اور تو اور بخاری و مسلم جنہیں صحیحین اور جن کے جامعین کو شیخین سے ملقب کیا جاتا ہے اور اہل حدیث کے ایک نامور (۴) عالم نے جن کی ہر روایت کے صحیح ہونے پر اجماع امت نقل کیا ہے۔ (۵) اور کہا ہے کہ جو شخص ان کتب کی کسی ایک حدیث کا بھی منکر ہو۔ وہ کافر ہے۔ (۶) ایسی "معتبر کتب" بھی قرآن کے اس عظیم دعوی کی تکذیب کر رہی ہیں۔ طوالت کے خوف سے یہاں صرف دو روایات نقل کرتا ہوں۔

(۱) بخاری کتاب البیوع میں ایک روایت درج ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ قرآن کی آیت "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ" (البقرہ ۱۹۸) کے بعد فی مواسم الحج کے الفاظ بھی نازل ہوئے تھے اور حضرت ابن عباس کی قرائت اسی طرح تھی۔ (۷)

(۲) اور صحیح مسلم میں درج ہے کہ "قرآن میں پہلے اترا تھا کہ دس گھونٹ دودھ پینے سے رضاعت کی حرمت ہو جاتی ہے پھر وہ منسوخ ہو گئی اور پانچ گھونٹ کا حکم آیا یعنی خمس رضعات معلومات یحرمن کی آیت اتری جو قرآن میں پڑھی جاتی ہے" (۸)

حالانکہ موجودہ قرآن میں ہمیں یہ دونوں آیات کہیں نظر نہیں آتیں۔ "مشتے از خروار" کے طور پر ہم نے دنیائے حدیث کی دو معتبر ترین کتب سے ایک ایک روایت نقل کر دی ہے' دیگر کتب حدیث کی روایات کو انہی پر قیاس کر لیجئے۔ انصاف آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس طرح کے اختلافات کو ثابت کرنے کے لئے اور انہیں دین کا درجہ دینے کے لئے ایک روایت بنا کر رسول اکرمؐ کی ذاتِ گرامی کی جانب منسوب کر دی گئی' جس کے مطابق قرآن سات طرح سے نازل ہوا تھا (۹) اور اس کا خوب چرچا کیا گیا اور متاخرین کے لئے تو یہی کافی تھا کہ یہ روایت بخاری میں موجود ہے اور بقول ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی اس (بخاری) کا رتبہ قریب قریب قرآن کے برابر ہے۔ (۱۰) (نعوذ باللہ)۔ لہذا سردست ہم بخاری ہی کی روایات کے متن اور سند پر ہی گفتگو کر لیتے ہیں۔

قارئین باقی روایات کو اسی پر قیاس کر لیں :

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے "باب ۹۲۶ انزل القرآن علی سبعة احرف" جس کا ترجمہ علامہ وحید الزمان نے "قرآن سات طرح سے اترا ہے" کیا ہے (۱۱) جو نیچے درج ہے۔

...قال حدثنی عبید الله بن عبد الله ان ابن عباسؓ حدثه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اقرانی جبرئیل علی حرف فراجعته فلم ازل استزیده ویزید فی حتی انتهی الی سبعة احرف۔(۱۲)

(از وحید زمانؒ صاحب) مجھ سے عبید اللہ بن عبد اللہ نے بیان کیا ان سے ابن عباسؓ نے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا جبرائیل نے مجھ کو (پہلے) عرب کے ایک ہی محاورے سے قرآن پڑھایا۔ میں نے ان سے کہا (اس میں بہت سختی ہو گی) میں ان سے برابر کہتا رہا اور محاوروں میں بھی پڑھنے کی اجازت دو' یہاں تک کہ سات محاوروں میں پڑھنے کی اجازت ملی۔

ہم نے ہر روایت معہ ترجمہ ہو بہو بخاری سے نقل کی ہے اور اس میں کسی ایک لفظ (ترجمہ میں) کا بھی ردوبدل نہیں کیا۔ روایت آپ نے ملاحظہ فرمائی اب اس روایت کو باطل ثابت کرنے کے لئے ہم بخاری ہی کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ باب مذکور سے صرف (3) تین ابواب قبل امام بخاری (اللہ ان کی مغفرت کرے) نے باب باندھا ہے۔

باب ۹۲۳ نزل القرآن بلسان قریش والعرب قرآناً عربیا بلسان عربی مبین (۱۳)

(از وحید الزمانؒ) قرآن قریش کے محاورے پر عربی زبان میں اترا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُرْآنًا عَرَبِيًّا بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ

اب اس کے ذیل کی روایت ملاحظہ ہو:

حدثنا ابوا لیمان حدثنا شعیب عن زہری واخبرنی انس بن مالك قال فامر عثمان زید بن ثابت و سعید بن العاص و عبد الله بن زبیر و عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام ان ینسخوها فی المصاحف و قال لهم اذا اختلفتم انتم و زید بن ثابت فی عربیة القرآن فاکتبوها بلسان قریش فان القرآن انزل بلسانهم ففعلوا۔(۱۴)

(از وحید زمانؒ) ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا کہا ہم سے شعیب نے انہوں نے زہری سے کہا مجھ کو انس ابن

مالک نے خبر دی کہ حضرت عثمان نے زید بن ثابت اور سعید بن عاصؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشامؓ کو حکم دیا کہ قرآن کی آیتیں صحیفوں میں لکھوائیں اور حضرت عثمانؓ نے یہ بھی کہا کہ اگر کہیں تم میں اور زید بن ثابت میں (جو مدینہ کے رہنے والے تھے) عربی محاورے کا اختلاف ہو تو قریش کا محاورہ لکھوا س لئے کہ قرآن قریش کے محاورے میں اترا ہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

"قرآن سات طرح سے اترا ہے" اور "قرآن قریش کے محاورے میں اترا ہے" دونوں پر غور فرمایئے۔ ہمارے خیال میں یہ تضاد کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ یہاں البتہ قارئین کی اطلاع کے لئے اتنا ضرور کہیں گے کہ دونوں روایتیں ابن شہاب زہری سے مروی ہیں اور ان دونوں کا دارومدار اسی راوی پر ہے۔

دراصل ہمارے علماء محدثین نے جذبہ روایت پرستی کے تحت ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے ہر طرح کی رطب و یابس کو کتابوں میں جگہ دی ہے اور انہیں اتنا سوچنے کی بھی فرصت نہیں ملی کہ ہماری ایک روایت دوسری کے خلاف برہان قاطع ثابت ہو رہی ہے۔

امام بخاری نے "انزل القرآن علی سبعة احرف" والے باب میں ایک طویل حدیث (واقعاتی انداز) میں نقل کی گئی ہے۔ طوالت کے خوف سے صرف مفہوم درج کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ اصل متن بخاری میں خود ہی دیکھ لیجئے۔ (۱۵)

سور ابن مخرم اور عبدالرحمٰن بن عبد قاری حضرت عمرؓ سے سن کر بیان کرتے ہیں کہ میں نے (یعنی حضرت عمرؓ خلیفہ دوم) ہشام بن حکیم کو رسولؐ کی زندگی میں سورۃ فرقان پڑھتے ہوئے سنا۔ وہ بہت سارے ایسے الفاظ پڑھ رہے تھے جو مجھے نبی اکرمؐ نے نہیں پڑھائے تھے۔ قریب تھا کہ میں ان پر حملہ کر بیٹھوں مگر میں نے بمشکل صبر کیا۔ جیسے ہی انہوں نے سلام پھیرا میں نے انہیں چادر میں کس لیا اور پوچھا: جو سورت تم نے پڑھی تجھے کس نے اس طرح پڑھائی انہوں نے کہا: رسولؐ نے۔ میں نے کہا تو جھوٹ بولتا ہے۔ مجھے حضورؐ نے یہ صورت بہ انداز دیگر (یعنی اس کے خلاف) پڑھائی۔ چنانچہ میں انہیں کھینچتا ہوا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام واقعہ حضورؐ کے گوش گذار کیا۔ رسولؐ نے فرمایا: اسے چھوڑو۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ حضورؐ نے ہشام کو حکم دیا کہ پڑھو۔ ہشامؓ نے سورۃ فرقان اسی طرح حضورؐ کو سنائی جس طرح میں نے اس سے سنی تھی۔ جب وہ پڑھ چکے تو حضورؐ نے فرمایا کہ "اسی طرح نازل ہوئی" پھر حضورؐ نے مجھے حکم دیا کہ "عمر اب تم پڑھو" میں نے اسی طرح پڑھی جس طرح میں نے حضورؐ سے سیکھی تھی۔ جب میں پڑھ چکا تو حضورؐ نے فرمایا۔ "اس طرح بھی نازل ہوئی تھی" اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ "ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرء واما تیسّر منه" "یعنی یہ قرآن تو سات حرفوں میں نازل ہوا ہے لہذا جس طرح آسان لگے پڑھ لیا کرو۔"

ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ "سبعۃ احرف" سے مراد ادائے حروف کی مختلف صورتیں ہیں جیسے آج کل مصر اور سعودی عرب کی قرائت میں ادائے حروف کا اختلاف ہے جیسے مصر والے "فیاض" کو "فیاد" پڑھتے ہیں۔ لیکن اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو یہ اس نظریئے کی نفی کرتی ہے اور ثابت کرتی ہے کہ عہد رسولؐ، صحابہ کرامؓ کے درمیان فقط ادائے حروف کا اختلاف نہیں تھا بلکہ الفاظ و آیات کا بھی اختلاف تھا۔

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

غور کیجئے حضرت عمرؓ بھی قریشی اور مکی ہیں اور حضرت ہشام بھی قریشی و مکی ہیں۔ دونوں کی زبان ایک دونوں کا لہجہ ایک، دونوں کا خاندان ایک دونوں کا مقام ایک لیکن اس کے باوجود ہشام ابن حکیم سورۃ الفرقان اس قدر اختلاف کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ان کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں اور دوران نماز ان پر حملہ آور ہونے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور ممشکل ضبط کرتے ہیں۔ پھر جیسے ہشام سلام پھیرتے ہیں حضرت عمرؓ انہیں چادر سے کس کر اور گھسیٹ کر حضورؐ کے پاس لے جاتے ہیں اور حضورؐ تمام معاملہ سن کر دونوں کو باری باری پڑھنے کا حکم صادر فرماتے ہیں دونوں مختلف انداز میں تلاوت کرتے ہیں اور رسولؐ دونوں کی تلاوت کو درست قرار دیتے ہیں اور مزید فرماتے ہیں کہ "یہ قرآن سات حرفوں میں نازل ہوا ہے جس طرح آسان لگے پڑھ لیا کرو۔" (ان ھذا بہتان عظیم)

اگرچہ متن حدیث کی تنقید کے بعد اس بات کی ضرورت تو نہیں رہتی کہ سند پر بحث کی جائے لیکن علماء کی تسلی کے لئے ہم سند کا بھی مختصر جائزہ لیتے ہیں۔ یہ تمام روایات امام زہری سے مروی ہیں لہذا تمام روایات کا دارومدار انہی پر ہے۔ ان کا پورا نام محمد بن مسلم الشہاب الزہری ہے۔ عجیب اضداد کا مجموعہ تھے۔ سنیوں میں سنی تھے اور شیعوں میں شیعہ۔ آج تک صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ کس مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ بعض انہیں اہلسنت کا امام لکھتے ہیں اور بعض اہل تشیع میں سے تصور کرتے ہیں۔ بہر حال ہر لحاظ سے ان کی شخصیت متنازع ہے۔ روایت پرستی کے انتہائی خوگر تھے۔ متضاد اور رطب ویابس روایت کرنے میں ثانی نہیں رکھتے ہیں۔ حکیم نیاز احمد صاحب فاضل دیوبند نے اپنی کتاب روایت افک میں ابن شہاب زہری سے اختلاف کی تیس وجوہات لکھی ہیں جن میں سے چند ایک ملاحظہ فرمایئے۔ (۱۶)

۱) مختصر روایات کو پھیلا کر بیان کرتے ہیں۔

۲) روایات کا سیاق و سباق اپنے ذہن سے تیار کر کے روایت کا جز بنا دیتے ہیں۔

۳) روایات میں خوبصورتی اور زور پیدا کرنے کے لئے ایک روایت کے پسندیدہ جملے اٹھا کر دوسری روایت میں جڑ دیتے ہیں۔

۴) توجیہہ واقعات اپنی طرف سے کرتے ہیں اور یہ ظاہر نہیں کرتے کہ یہ میرا کلام ہے۔

۵) مشکل الفاظ کی تشریح درمیان میں اس طرح کرتے ہیں جیسے وہ بھی روایت کا جزو ہوں۔

۶) مجمل واقعات کو اس طرح مفصل بیان کرتے ہیں کہ داستان کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

۷) واقعات کے خلا کو اپنے ذہن سے پر کرتے ہیں۔

۸) تاریخی واقعات کا بیان اپنے مخصوص معتقدات کی رنگ آمیزی کے ساتھ کرتے ہیں۔

۹) سخت مدلس ہیں سنتے کسی سے ہیں اور منسوب کسی کی طرف کر دیتے ہیں۔

۱۰) ضعفاء سے روایت لیتے ہیں اور پھر انہیں درمیان سے نکال کر اوپر کے قابلِ قبول راویوں کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے ہیں۔

۱۱) زہری کی غیر محتاط روایات نے شیعہ سنی اختلافات کو وسیع کیا ہے۔

۱۲) درباری ذہنیت کے خوشامدی سرکاری ملازم ہیں۔

۱۳) دو عملی کا شکار تھے۔ معاش بنو مروان سے حاصل کرتے تھے اور عقیدت علی بن حسین سے رکھتے تھے۔

۱۴) کلمہ حق کہنے کی جرات سے محروم تھے اس لئے ساری عمر سلاطین جابرہ کی خدمت میں گذاری۔

۱۵) رائی کا پربت بنانا ان کا فن تھا جو درحقیقت کذب ہی کی ایک قسم خفی ہے دیگر باتوں میں بعض لوگوں کو اختلاف ہو سکتا ہے مگر زہری کے ادراج اور تدلیس سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ چنانچہ بڑے بڑے محدثین نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ زہری مدرج اور مدلس تھے۔(۱۷) ادراج کا مطلب یہ ہے کہ راوی رسولؐ کے الفاظ ساتھ اپنی طرف سے الفاظ ملا دے اور پڑھنے والا یہ سمجھے کہ یہ رسولؐ کے الفاظ ہیں جبکہ تدلیس سے مراد یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ یا سلسلۂ روایت کے کسی نام میں ایسی کوئی صورت قصداً اختیار کرے جس سے اس کی اصلی و صحیح شخصیت جو متعارف تھی اس پر پردہ پڑ جائے اور سننے والے کا گمان کسی اور طرف چلا جائے۔ یہ تدلیس تو اسناد میں ہے۔ اور متن حدیث میں تدلیس یہ ہے کہ مفہوم ایسے دو پہلو طرز بیان یا ذو معنی الفاظ میں ادا کئے جائیں جن سے حدیث کے صحیح مفہوم کے عوض کسی غیر مقصود معنی کی طرف سامع کا ذہن چلا جائے یا صحیح مفہوم کے ساتھ کوئی غلط پہلو بھی پیدا ہو جائے۔ اسناد کی تدلیس سے متن حدیث کی تدلیس زیادہ بری ہے جس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

تدلیس ایک طرح کا کذب ہے اور محدثین نے اسے کذب میں ہی شمار کیا ہے چنانچہ مشہور محدث عبداللہ بن مبارک استاد حافظ بن یزید بن زویع سے جو بہت بڑے محدث تھے تدلیس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"التدلیس الکذب" یعنی تدلیس کذب ہے۔(۱۸)

زہری جن کے بارے میں محدثین کو اعتراف ہے کہ وہ تدلیس کے خوگر تھے ان سے دھڑا دھڑ روائتیں لینا کم از

کم میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اللہ بُرا کرے اس جذبہ روایت پرستی کا۔

اختلاف قرائت کی اکثر روایات ابن شہاب زہری سے مروی ہیں۔ بلکہ ہمارے خیال میں اگر ان روایات میں سے زہری کی روایات نکال دی جائیں تو اختلاف قرائت کی عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے لیکن ہمارے محدثین کو ایسا منظور کہاں تھا؟ وہ تو الٹا اختلاف قرائت کی عمارت کو مزید سہارا دینے کے در پے رہے اور باہم متضاد روایات کی خلافِ قیاس ایسی ایسی تاویلیں کرتے رہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اس سے بھی حیرت انگیز بات محدثین کا یہ کہنا ہے کہ قرآن اگرچہ سات طرح سے نازل ہوا تھا لیکن حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں امت کو صرف ایک طریقے سے قرائت کرنے پر مجبور کیا اور یوں امت کو حرفِ واحدہ پر مجتمع کر دیا۔(۱۹)

کس قدر خلاف عقل بات ہے کہ حضور کے عہد مبارک سے لیکر خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے دور تک تمام مسلمانوں کو اپنے اپنے "لب و لہجہ" اور "محاورۂ لغت" میں پڑھنے کی کھلی چھٹی رہی۔ جب امتِ مسلمہ کے تمام قبائل کے افراد اپنے اپنے لب و لہجہ اور محاورۂ لغت میں پڑھنے کے عادی ہو گئے تو یک دم حضرت عثمانؓ نے فرمان جاری کر دیا خبر دار! قرآن قریش کی زبان میں اترا ہے۔ آئندہ کوئی شخص قریش کے لب و لہجہ اور محاورۂ لغت کے سوا کسی دوسری قرائت کو نہ اپنائے۔

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے

اگر شروع میں ہی تمام قبائل کو ایک طریقے سے پڑھنے کو کہا جاتا اور ہر شخص تھوڑا تھوڑا خیال رکھ کر یاد کرتا تو ہر شخص کی زبان محاورۂ قریش ہی میں پڑھنے کی عادی ہو جاتی اور مشق ہو جانے کے بعد کسی بھی قبیلے کے افراد کو دشواری محسوس نہ ہوتی۔ مگر جب تمام قبائل کے مسلمان اپنے اپنے محاورۂ لغت اور اپنے اپنے لب و لہجہ میں قرآن کو زبانی یاد کر چکے اور ناظرہ کی مشق بھی ان کو اپنی لغت کے مطابق ہو چکی اور دنیا میں سات قرائتیں رائج ہو چکیں تو اس وقت یہ حکم صادر کرنا کہ تمام قبائل کے مسلمان چھ قرائتوں کو بالکل ترک کر دیں اور صرف ایک قرأت پر متحد ہو جائیں۔ تعجب ہی تعجب ہے۔

یاد رہے کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اسلام عرب تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ ایران فتح ہو چکا تھا اور دیگر علاقے مسلمانوں کے زیر نگیں ہو چکے تھے۔ ان علاقوں کی آبادی کی غالب اکثریت اسلام قبول کر چکی تھی، تو ظاہر ہے ان علاقوں کے مسلمان بھی مختلف قرائت کے خوگر ہو چکے ہونگے۔ لہذا یہ بات عقلاً محال ہے کہ سارے عالم اسلام کے مسلمان جو مختلف قرائتوں میں قرآن پڑھنے کے عادی ہو چکے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے کہنے پر ایک ہی قرائت کرنے لگ جائیں اور مشق شدہ قرائت چھوڑ دیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ (بقول راویان) یہ سب قرائتیں صحیح ہیں اور رسول اکرمؐ

نے حضرت جبرائیل کی منتیں کر کر کے امت کی سہولت لئے انہیں بارگاہ خداوندی سے حاصل کیا۔(۲۰)

پھر یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جو کتاب رسولؐ کی التجاؤں اور اصرار پر سات قرائتوں پر اللہ تعالیٰ نے نازل کی، جیسا کہ بخاری مسلم و دیگر کتب احادیث میں مذکورہ ہے۔ اس کی چھ قرائتوں کی منسوخ کرنے کا اختیار حضرت عثمانؓ کو کہاں سے حاصل ہو گیا تھا؟ نیز صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی اتنی بڑی جماعت میں سے کسی نے حضرت عثمان سے یہ پوچھنے کی جرات نہیں کی کہ حضرت آپ کو باقی قرائتیں منسوخ کرنے کا حق کس نے دیا؟ جبکہ حضورؐ نے ہماری سہولت کے لئے بارہا جبرائیل کی منت کی۔

"قرآن سات طرح سے نازل ہوا تھا" کی ایک عقلی دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ چونکہ عرب میں مختلف قبائل آباد تھے جن کا لب و لہجہ اور محاورہ لغت ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ لہذا کسی مخصوص قرائت میں انہیں دشواری محسوس ہوتی تھی اس لئے امت کی سہولت کی خاطر "سات حرفوں" (۲۱) میں پڑھنے کی اجازت عطا ہوئی۔ لیکن یہ استدلال انتہائی بھونڈا ہے۔ عرب میں صرف سات قبائل آباد نہیں تھے بلکہ سینکڑوں قبائل تھے اور تقریباً ہر قبیلے کا لب و لہجہ اور محاورہ لغت مختلف ہوتا ہو گا۔ جیسے ہمارے ہاں پنجابی زبان ہے، جس کا لہجہ ہر بیس کلو میٹر بعد تبدیل ہو جاتا ہے۔ (پنجاب کے رہنے والے اس سے بخوبی واقف ہیں) لہذا اگر ایسی بات تھی تو سات حرفوں یا لہجوں کی قید کیوں؟ ہر قبیلے کو اپنے اپنے لب و لہجہ اور محاورہ لغت کے پڑھنے کی اجازت ہونی چاہیے تھی اور پھر اللہ تعالیٰ جبرائیل اور حضورؐ نے دوسرے خطوں (غیر عرب) کے مسلمانوں کو اس سہولت سے کیوں محروم رکھا؟ اور انہیں اپنی اپنی زبانوں اور بولیوں میں پڑھنے کی اجازت کیوں نہیں دی؟ الغرض اختلافِ قرائت کی حقیقت افسانے سے زیادہ نہیں۔ اگر قرآن واقعی سات طرح سے نازل ہوا۔ تو ضروری تھا کہ آج تک کے مسلمان مختلف قرائتوں کے مطابق قرآن پڑھ رہے ہوتے۔ آج بھی مختلف علاقوں اور قبیلوں میں مختلف قرائتیں رائج ہوتیں اور آج دنیا میں قرآن مجید کے مختلف نسخے پائے جاتے جن میں الفاظ و آیات کا اختلاف پایا جاتا جیسا کہ ہم نے روایات کی زبانی سنا کہ فلاں صحابیؓ کے نسخۂ قرآن میں فلاں آیت اس طرح درج تھی۔ یا فلاں صحابیؓ فلاں آیت اس طرح پڑھتے تھے یا فلاں صحابی کی قرائت میں یوں آیا ہے اور فلاں آیت کی دوسری قرائت یوں ہے، وغیرہ وغیرہ یا پھر فلاں صحابیؓ فلاں آیت کے فلاں لفظ کو اس طرح پڑھتے تھے۔ اس کے برعکس آج دنیا میں موجود قرآن مجید کے تمام نسخے اکھٹے کیجئے آپ کو الفاظ و آیات کا اختلاف تو کیا ایک نقطے بلکہ اعراب تک کا اختلاف نظر نہیں آئے گا۔ ادھر موجودہ دور میں صدیوں پرانے قرآن مجید کے کئی نسخے دریافت ہو چکے ہیں انہیں جب قرآن کے موجودہ نسخوں سے ملا کر دیکھا گیا تو ایک نقطے تک کا اختلاف سامنے نہیں آیا۔ اور تو اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت جو نسخہ ان کی زیر تلاوت تھا وہ بھی دریافت ہو چکا ہے جو آج کل ماسکو کی لائبریری میں موجود ہے (۲۲) جس کی عکسی نقل سابقہ صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کو دورۂ روس کے موقع پر تحفہ کے طور پر پیش کی گئی

تھی۔ جو آج کل نیشنل لائبریری کی وجہ زینت وافتخار ہے (۲۳) اگر چہ راقم یہ نسخہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی سعادت سے محروم ہے لیکن یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ مذکورہ نسخہ بالکل قرآن مجید کے موجودہ نسخوں جیسا ہی ہوگا ورنہ مستشرقین جو مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے کے بہانے تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ذرا سی بات کو افسانہ بنانے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں' ضرور اعتراض اٹھاتے اور قرآن مجید کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ اس کے برعکس مستشرقین کی اکثریت اس بات کی معترف ہے کہ موجودہ قرآن ہو بہو وہی ہے جو آج سے چودہ سال قبل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو دیا تھا۔ چنانچہ یورپ کی مشہور مستشرق Baroness Margrate von stein قرآن مجید کے متعلق رقم طراز ہے :

"اگر چہ تمام مذہبی صحائف اللہ کی طرف سے نازل ہوئے تاہم صرف قرآن ہی ایک ایسا آسمانی صحیفہ ہے جس میں ذرا بھی رد وبدل نہیں ہوا اور وہ اپنی اصل شکل میں موجود ہے۔" (۲۴)

انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کا مصنف "قرآن" کے زیر عنوان اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ :

"یورپ کے محققین کی وہ تمام کوششیں جو قرآن کے اندر بعد میں اضافات وغیرہ ثابت کرنے کے لئے کی گئی تھیں قطعاً ناکام رہی ہیں۔" (۲۵)

سر جان ہمر ٹن کے زیر اہتمام شائع ہونے والے یونیورسل انسائیکلوپیڈیا میں "قرآن" کے زیر عنوان درج ہے۔ "اس "قرآن" کی عبارت کا غیر محرف ہونا مسلم ہے" (۲۶) یہاں تک کہ سر ولیم میور جیسا متعصب مستشرق اپنی کتاب Life of Muhammad میں اعتراف کرتا ہے۔

"یہ بات یقینی ہے کہ قرآن جس شکل میں ہمارے پاس اس وقت موجود ہے بعینہ اس شکل میں حضرت محمدؐ کی زندگی میں جمع ومرتب ہو چکا تھا۔" (۲۷) وہ ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے۔

"ورنہ اس کے لئے داخلی وخارجی ہر قسم کی ضمانت موجود ہے کہ ہمارے پاس قرآن کا بعینہ وہی متن موجود ہے جو خود محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو دیا تھا اور خود استعمال کیا تھا۔"

ان تصریحات کے بعد آپ ہم سے نہیں اپنے دل سے پوچھیے کہ کیا قرآن مجید میں کسی قسم کا اختلاف ممکن تھا یا ہے ؟

اے مسلمان پوچھ اپنے دل سے ملا سے نہ پوچھ

اللہ تعالیٰ نے "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (۲۹)" کہہ کر قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔ اگر اس عظیم دعویٰ کے ہوتے ہوئے بھی قرآن میں قرائتوں کے اختلاف کو تسلیم کر لیا جاتا ہے تو پھر بتایئے آخر قرآن کی صداقت اور "لاریب" (۳۰) ہونے کا معیار کیا رہ جاتا ہے ؟

حواشی و مصادر

۱)۔ القرآن الحکیم ۴ : ۸۲

۲)۔ اہل تشیع کو

۳)۔ ابو عبیدہ قاسم بن سلام اور امام ابو داؤد

۴)۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم سابق صدر جمعیت اہل حدیث

۵)۔ جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث صفحہ ۵۵

۶)۔ جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث صفحہ ۴۸

۷)۔ بخاری شریف مترجم صفحہ ۸۲۱ جلد اول

۸)۔ صحیح مسلم صفحہ ۴۶۹ جلد اول

۹)۔ صحیح بخاری مترجم صفحہ ۱۰۹۵ جلد دوم

۱۰)۔ روزنامہ "جنگ" مورخہ ۱۱ اپریل ۱۹۸۶ء

۱۱)۔ صحیح بخاری ترجم صفحہ ۱۰۹۵ جلد دوم

۱۲)۔ صحیح بخاری مترجم صفحہ ۱۰۹۵ جلد دوم

۱۳)۔ صحیح بخاری مترجم صفحہ ۱۰۹۰ جلد دوم

۱۴)۔ ایضاً

۱۵)۔ ایضاً صفحہ ۹۶۔۱۰۹۵

۱۶)۔ روایت افک صفحہ ۴۰۔۳۵

۱۷)۔ چنانچہ المعصر من المختصر میں زہری کے متعلق لکھا ہے :

كان يخلط كلامه بالحديث و قال موسىٰ بن عقبية فصل كلام رسول الله من كلامك

"یعنی زہری حدیث میں اپنی بات ملا دیا کرتے تھے اس لئے موسیٰ بن عقبہ نے زہری کو ڈانٹا تھا کہ تم رسولؐ کے کلام کو اپنے کلام سے الگ رکھا کرو۔"

اور حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب طبقات المدلسین میں زہری کے متعلق لکھتے ہیں۔" وصفه الشافعي والدار قطني وغير واحد بالتدليس"، یعنی امام شافعی دار قطنی اور بعض دوسرے اصحاب نے زہری کو تدلیس کی صفت سے متصف کیا۔ (ملاحظہ ہو تصویر کا دوسرا رخ از تمنا عمادیؒ صفحہ ۱۳۷)

۱۸)۔ تہذیب التہذیب حوالہ تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۱۳۸

۱۹)۔ اتقان جلد اول صفحہ ۸۵

۲۰)۔ جیسا کہ بخاری کی روایت میں مذکورہ ہے جو اوپر آچکی ہے۔

۲۱)۔ "سبعۃ احرف" سے کیا مراد ہے آج تک ہمارے علماء و محدثین نہیں بتا سکے۔

۲۲)۔ ماہنامہ "طلوع" کراچی جنوری ۱۹۷۴ء

۲۳)۔ مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں۔

۲۴)۔ حوالہ جمع القران تمنا عمادی صفحہ ۳۹۵

۲۵)۔ ایضاً صفحہ ۳۹۶

۲۶)۔ حوالہ مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں۔ صفحہ ۱۴۴

۲۷)۔ ایضاً صفحہ ۱۴۳

۲۸)۔ جمع القرآن از علامہ تمنا عمادی صفحہ ۳۹۶

۲۹)۔ القرآن الحکیم : ۱۵ : ۹ ترجمہ بے شک ہم نے یہ ذکر نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

۳۰)۔ القرآن ۲ : ۲ ذالك الكتاب لا ريب فيه (یہ ہے وہ کتاب جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں)۔

تحریف قرآن کی حقیقت!

ایک تنقیدی جائزہ

(قسط دوم)

آیۃ اللہ العظمیٰ الخوئی

تحریف اور سنت

۳۔ عدم تحریف کی تیسری دلیل ثقلین (قرآن و عترت) کے بارے میں روایات ہیں۔ وہ ثقلین جن کو رسول اسلامؐ نے اپنے امت میں چھوڑا اور ساتھ ساتھ یہ خبر بھی دی کہ یہ دونوں (قرآن اور عترت) ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر آپؐ کے پاس جمع ہوں گے اور آپؐ نے امت کو ان سے متمسک رہنے کا حکم دیا۔

اس مضمون کی روایات کثرت سے موجود ہیں جو فریقین کی مختلف اسناد سے منقول ہیں ان روایات سے عدم تحریف پر دو پہلوؤں سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

i۔ عقیدہ تحریف سے یہ لازم آتا ہے کہ خدا کی طرف سے نازل شدہ کتاب سے تمسک واجب نہ ہو کیونکہ تحریف کی وجہ سے وہ کتاب تو امت کے ہاتھ سے ضائع ہو گئی جبکہ قیام قیامت تک کتاب الٰہی سے تمسک رکھنا واجب ہے۔ بنا برایں عقیدہ تحریف یقیناً باطل ہے۔

وضاحت ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ عترت پیغمبرؐ اور کتاب ہمیشہ ساتھ ساتھ ہیں اور قیامت تک لوگوں میں باقی رہیں گے۔ بنابر ایں کسی ایسے انسان کا ہونا ضروری ہے جو قرآن کے دوش بدوش رہے اور قرآن کا ہونا بھی ضروری ہے جو عترتؑ کے دوش بدوش رہے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر یہ رسول اعظمؐ کی خدمت میں حاضر ہوں اور ان دونوں سے تمسک کے نتیجے میں امت گمراہی سے محفوظ رہے جس کی خود رسول کریمؐ نے اس حدیث میں تصریح فرمائی ہے۔

یہ بھی واضح امر ہے کہ عترتؑ سے تمسک کا مطلب یہ ہے کہ اس سے محبت کی جائے، جن کاموں کا وہ حکم دیں انہیں بجا لایا جائے، جن کاموں سے منع کریں ان سے باز آیا جائے اور ان سے رہنمائی حاصل کی جائے اور یہ ایسا امر ہے جس کے لئے خود امام سے ملاقات اور بالمشافہ احکام حاصل کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ امامؑ کے زمان غیبت سے پہلے بھی سب لوگوں کے لئے امامؑ سے ملاقات یا بالمشافہ گفتگو کرنا ممکن نہ تھا چہ جائیکہ زمانہ غیبت میں یہ کام ممکن ہو۔

یہ کہنا کہ بعض لوگوں کی امامؑ تک رسائی ضروری ہے، یہ ایک بے بنیاد بات اور بلا دلیل دعوی ہے اور اس شرط کی کوئی وجہ بھی نظر نہیں آتی۔ پس شیعہ حضرات زمانہ غیبت میں بھی اپنے آئمہ سے متمسک رہتے ہیں، ان سے محبت رکھتے اور ان کے فرامین کی اطاعت کرتے ہیں۔ جدید واقعات میں ان کی احادیث کے راویوں کی طرف رجوع کرنا بھی آئمہؑ کے اوامر و فرامین میں سے ہے۔

لیکن قرآن سے تمسک اسی صورت میں ممکن ہے جب قرآن تک رسائی ہو سکے لہٰذا امت میں قرآن کا ہونا لازمی امر ہے تاکہ وہ اس سے متمسک ہو سکے اور گمراہی کا شکار نہ ہو۔

ہمارے اس بیان سے اس بات کا بطلان بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن امام زمانؑ کے پاس موجود اور محفوظ ہے کیونکہ قرآن سے تمسک کے لئے اس کا موجود ہونا کافی نہیں ہے اور جب تک یہ ہماری دست رسی میں نہ ہو اس سے تمسک ناممکن ہے۔

اعتراض ا اس دلیل پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حدیث ثقلین تو صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن کی آیات احکام فقہ میں تحریف واقع نہیں ہوئی کیونکہ مسلمانوں کو آیات احکام ہی سے تمسک کا حکم دیا گیا ہے۔ بنا برایں حدیث ثقلین باقی آیات میں تحریف ہونے کی نفی نہیں کرتی۔

جواب ا خدا نے تمام قرآن انسانوں کی ہدایت اور ہر لحاظ سے ممکنہ کمال تک رہنمائی کے لئے نازل فرمایا ہے۔ چاہے وہ آیات احکام ہوں یا دوسری آیات قرآن ظاہری طور پر تو قصہ لگتا ہے مگر باطن اور حقیقت میں یہ موعظہ اور نصیحت ہے۔ اس کے علاوہ تحریف کے قائل لوگوں کی اکثریت کا دعوی یہ ہے کہ تحریف ولایت اور اسی طرح کے دوسرے موضوعات میں واقع ہوئی ہے جبکہ آیات ولایت کی پیروی و اطاعت کی سخت تاکید کی گئی ہے۔

ظاہر ہے ان آیات (آیات ولایت وغیرہ) کی اطاعت اسی صورت میں واجب ہو گی جب ان کا قرآن ہونا ثابت ہو۔

ii۔ عقیدہ تحریف سے یہ لازم آتا ہے کہ کتاب خدا حجت نہ رہے۔ جب کتاب خدا حجت نہ رہے گی تو اس کے ظاہری معانی پر عمل بھی نہ ہو سکے گا اور کوئی بھی تحریف کا قائل اس وقت تک موجودہ قرآن کی طرف رجوع نہیں کر سکے گا جب تک آئمہ معصومینؑ اس کی تصدیق نہ کریں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کی طرف رجوع اور اس سے استدلال آئمہ معصومینؑ کی تائید و تصدیق پر موقوف ہے۔ حالانکہ حدیث ثقلین اور دیگر متواتر روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن ایک مستقل مدرک، مرجع اور حجت ہے بلکہ ثقلین میں سے ثقل اکبر ہے۔ اس کی حجیت ثقل اصغر آئمہ معصومینؑ کی حجیت کے تابع نہیں ہے۔

عقیدہ تحریف سے کتاب خدا اس لئے حجت نہیں رہتی کہ جب تحریف کے قائل ہوں گے تو یہ احتمال باقی رہے گا کہ موجودہ قرآن کی کوئی بھی آیت جو کسی مطلب پر دلالت کرتی ہے، ہو سکتا ہے اس کے ساتھ قرآن کا کچھ اور حصہ بھی ملا ہوا تھا جو موجودہ مفہوم کے خلاف تھا مگر تحریف کی وجہ سے وہ حصہ ضائع ہو گیا۔ جب تک یہ احتمال باقی رہے گا قرآن کے ان معانی پر عمل نہیں ہو سکے گا جو موجودہ قرآن سے سمجھے جائیں گے اور اس احتمال کی نفی "اصالۃ عدم قرینہ" کی وجہ سے بھی نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس اصل کی دلیل عقلاء کی یہ سیرت ہے کہ وہ کلام سے ظاہر ہونے والے معنی پر عمل کرتے ہیں اور اس معنی کے خلاف کسی قرینہ کے احتمال کو اہمیت نہیں دیتے۔

عقلاء اس سیرت کو اپناتے ہیں جہاں کلام متکلم سے منفصل اور جدا کسی مستقل قرینہ کا احتمال دیا جائے یا کلام متکلم سے متصل قرینہ کا احتمال ہو اور قرینہ کے ضائع ہونے کی وجہ بھی بیان کے موقع پر متکلم کی غفلت کا احتمال ہو یا سامع استفادہ سے غفلت برتے۔

لیکن اگر قرینہ متصلہ کا احتمال ہو اور اس سے مستفاد نہ ہونے کی وجہ متکلم یا سامع کی غفلت نہ ہو تو عقلاء اس کلام سے ظاہر ہونے والے معانی پر عمل نہیں کرتے۔

مثال کے طور پر اگر کسی انسان کو ایسے شخص کا خط موصول ہوتا ہے جس کی اطاعت ضروری ہو اور اس خط میں ایک گھر خریدنے کا حکم ہے مگر اس خط کا کچھ حصہ ضائع ہو چکا ہے اور احتمال ہے کہ خط کا ضائع شدہ حصہ اس گھر کی کچھ خصوصیات مثلاً وسعت، قیمت اور محل وقوع پر مشتمل تھا جس کے خریدنے کا حکم دیا گیا ہے تو اس صورت میں عقلاء کبھی بھی اس احتمال کو کالعدم تصور کر کے خط کے باقی ماندہ مندرجات پر عمل نہیں کریں گے اور اس حکم کے انجام دینے کی خاطر جو گھر بھی میسر آجائے اسے

نہیں خریدیں گے اور نہ ہی ایسے شخص کو اپنے مولا کا فرمانبردار کہا جائے گا۔

شاید ہمارے محترم قارئین کو وہم ہو کہ اس بیان کے مطابق تو فقہ اور استنباط احکام شرعیہ کی بنیاد منہدم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ احکام شرعیہ کے اہم اور عمدہ دلائل معصومینؑ کی روایات ہیں۔

ان روایات میں بھی یہ احتمال دیا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کلام معصومینؑ کے ساتھ قرینہ ملا ہوا تھا جو ہم تک نہیں پہنچ سکا۔ لیکن اگر محترم قارئین معمولی سی بھی توجہ کریں تو یہ شبہ زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکے گا۔ کیونکہ روایات کے سلسلے میں کلام راوی پر اعتماد کیا جاتا ہے بایں معنی کہ اگر کلام میں کوئی قرینہ متصلہ ہوتا تو راوی اس کا ضرور ذکر کرتا۔ روای کے ذکر نہ کرنے سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ قرینہ متصلہ کلام معصومؑ میں بھی نہ تھا۔ یہ احتمال چونکہ کالعدم ہے کہ شاید قرینہ موجود ہو یا روای سے غفلت سرزد ہوئی ہو۔ اس لئے اس احتمال کو بھی کالعدم تصور کیا جائے گا کہ شاید قرینہ موجود تھا جو راوی کی غفلت کی وجہ سے رہ گیا ہے اس قاعدے کی رو سے کہ جس چیز کا وجود مشکوک ہو اسے کالعدم فرض کیا جاتا ہے قرینہ اور راوی کی غفلت دونوں احتمالوں کی نفی کی جائے گی۔

استدلال کے دوسرے پہلو کا نتیجہ یہ نکلا کہ عقیدہ تحریف سے یہ لازم آتا ہے کہ ظواہر قرآن سے تمسک جائز نہ ہو اس نتیجے تک پہنچنے کے لئے اس بیان کی ضرورت نہیں کہ تحریف کی وجہ سے بعض بلا تعین آیات کے ظاہری معنی کے درہم برہم ہونے کا اجمالی علم حاصل ہو جاتا ہے یعنی اگرچہ تحریف شدہ آیات کی تعیین نہیں کی گئی لیکن اجمالی طور پر ہم اتنا جان لیتے ہیں کہ کسی نہ کسی آیہ میں تحریف ہوئی ہے جس کی وجہ سے قرآن قابل عمل نہیں رہتا کیونکہ اگر اس بیان کے ذریعے مذکورہ نتیجے تک پہنچنا چاہیں تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا:

قرآن میں تحریف ہونے سے مذکورہ بالا اجمالی علم لازم نہیں آتا ثانیاً" یہ اجمالی علم واجب العمل نہیں ہے کیونکہ اجمالی علم اس صورت میں واجب العمل ہوتا ہے جب جس چیز کے واجب ہونے کا احتمال ہے ان سب سے واسطہ پڑے یعنی سب واجب ہو سکتے ہوں۔

ہماری اس بحث میں ایسا نہیں ہے' اس لئے کہ ان احتمالی تحریف شدہ آیات میں سے کچھ آیات ایسی ہیں جن کا تعلق احکام سے نہیں ہے۔ اس قسم کی آیات کا کوئی عملی اثر نہیں ہوا کرتا۔

بعض اوقات تحریف کے حامی حضرات یہ دعوی کرتے ہیں کہ اگرچہ تحریف کی وجہ سے قرآن کی حجیت ختم ہو جاتی ہے لیکن ظواہر قرآن سے آئمہؑ کے استدلال اور ان کی طرف سے کئے گئے استدلال

کو اصحاب کی تائید سے قرآن کی حجیت بحال ہو جاتی ہے۔

یہ دعوی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ آئمہؑ اپنے استدلال اور استدلال اصحاب کی تائید سے قرآن کو حجت نہیں بنا رہے بلکہ وہ اس لئے استدلال کرتے اور استدلال کی تائید کرتے تھے کہ قرآن کی حجیت سے پہلے بذات خود ثابت تھی۔

نماز میں سورتوں کی اجازت

۴۔ عدم تحریف کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ آئمہؑ نے واجب نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک مکمل سورہ پڑھنے کا حکم دیا ہے اور نماز آیات میں ایک مکمل سورہ یا کم از کم پانچ یا اس سے زیادہ آیات والی سورت کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے ہر رکوع سے پہلے ایک حصہ پڑھنا جائز قرار دیا ہے اور جب سے شریعت میں نماز کا اعلان کیا گیا ہے یہ احکام ثابت اور موجود ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ آئمہ نے تقیہ کے طور پر یہ احکام بیان فرمائے تھے کیونکہ اس وقت تقیہ کا کوئی موقع نہیں تھا۔

بنا برایں جو حضرات تحریف کے قائل ہیں وہ ایسے سورے پر اکتفا نہیں کر سکتے جس میں تحریف کا احتمال ہو کیونکہ جس عمل کے واجب ہونے کا یقین ہو اس کی ادائیگی کا یقین حاصل کرنا واجب ہے اور جس سورہ میں بھی تحریف کا احتمال ہو اس کو پڑھ کر یہ یقین حاصل نہیں ہوتا کہ واجب ادا ہو گیا ہے کیونکہ ممکن ہے تحریف شدہ سورہ پڑھا گیا ہو۔

کبھی تحریف کے قائل یہ دعوی کرتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کے بعد ایک مکمل سورہ پڑھنا واجب ہی نہیں ہے اس لئے کہ کسی بھی سورہ کو پڑھنے کے بعد انسان یہ یقین حاصل نہیں کر سکتا کہ اس نے ایک مکمل سورہ پڑھ لیا ہے جب ایسا یقین حاصل کرنا ممکن نہیں ہے تو واجب بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ خدا ناممکن کام کی ذمہ داری عائد نہیں کرتا۔

یہ دعوی تب درست ہوگا جب قرآن کی تمام سورتوں میں تحریف کا احتمال ہو لیکن اگر قرآن میں ایسی سورتیں موجود ہیں جن میں تحریف کا احتمال نہ ہو جیسے سورہ توحید ہے تو مکلف پر واجب ہے کہ وہ سورہ توحید کے علاوہ کوئی اور سورہ نہ پڑھے اگرچہ آئمہؑ نے قرآن سے ہر سورہ پڑھنے کی اجازت دی ہے لیکن تحریف کے قائل اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے کہ گو تحریف کی وجہ سے آئمہ کی اجازت سے قبل ہر آیت پڑھنا جائز نہیں تھا لیکن آئمہؑ کی اجازت کے بعد کسی بھی سورت کو پڑھا جا سکتا ہے۔

یہ نتیجہ اس لئے اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ آئمہؑ کی طرف سے ہر سورہ پڑھنے کی اجازت ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن میں تحریف واقع نہیں ہوئی اگر تحریف واقع ہوئی ہوتی تو اس قسم کی اجازت سے واجب نماز کا بلاوجہ فوت ہونا لازم آتا اور اگر قرآن کے بعض سوروں میں تحریف کا احتمال ہوتا اور باقیوں میں نہ ہوتا تو آئمہؑ صرف انہی سورتوں کو واجب قرار دیتے جن میں تحریف کا احتمال نہ ہو اور یہ تقیہ کے خلاف بھی نہ سمجھا جاتا' جب کہ ہمیں معلوم ہے کہ آئمہؑ نے سورہ توحید اور سورہ قدر کو ہر نماز میں پڑھنا مستحب قرار دیا ہے۔

آئمہؑ کی نظر میں اس بات سے کون سی چیز مانع تھی کہ وہ سورہ توحید اور سورہ قدر یا کسی اور ایسے سورہ کو واجب قرار دے دیتے جس میں تحریف کا احتمال نہ ہو۔

مگر یہ کہ تحریف کے قائل یہ کہیں کہ پہلے قرآن سے ایک مکمل سورہ پڑھنا واجب تھا اور بعد میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور موجودہ قرآن سے ہر سورہ کو پڑھنا جائز قرار دیا گیا۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ تحریف کے قائل حضرات اس قسم کے نسخ کے قائل ہوں گے کیونکہ رسول اسلامؐ کے بعد یقیناً" کوئی نسخ واقع نہیں ہوا اگرچہ نسخ کا ممکن اور محال ہونا متنازعہ ہے اور ہماری اس بحث سے خارج ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ آئمہؑ نے موجودہ قرآن میں سے کوئی سا بھی سورہ پڑھنے کا حکم دیا ہے جس میں تقیہ کا شائبہ تک نہیں ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں بھی یہی حکم تھا کہ کوئی سا سورہ پڑھ لیا جائے یا آپؐ کے زمانے میں کوئی اور حکم تھا اور یہ حکم بعد میں وضع کیا گیا۔

دوسری صورت (یعنی رسول اکرمؐ کے زمانے میں حکم کوئی اور تھا) تو ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ یہ نسخ جو آنحضرتؐ کے بعد یقیناً" واقع نہیں ہوا اگرچہ بذات خود ممکن ہے۔ لامحالہ رسول اسلامؐ کے زمانے میں بھی یہی حکم تھا جو آئمہ اطہارؑ نے بیان فرمایا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں تحریف واقع نہیں ہوئی۔

یہ استدلال صرف نماز سے مختص نہیں ہے بلکہ یہ ہر اس مقام پر ہو سکتا ہے جہاں آئمہ اطہارؑ نے ایک مکمل سورہ یا آیہ کو پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

باقی آئندہ